سلگتے خواب

یعقوب بھٹی

ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　　　　　　　　　　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "اردو بکس" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخِ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی وذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے فری آف کاسٹ وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　　　　　　　　　　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

محمد سلمان سلیم
03067163117

سلگتے خواب

یعقوب بھٹی

خواب دیکھنے والی آنکھوں کو خوابوں کی کڑی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے... آزادی سے دُور... دورِ غلامی میں شب و روز بِتانے والے... دشمن کی انتقامی کارروائیوں اور سازشی حربوں سے ہر دم نبرد آزما رہتے ہیں... انقلاب پسندوں اور آزادی کے جنونی متوالوں کی جدوجہد اس وقت تک جاری و ساری رہتی ہے... جب تک ان کے قدم مقدس سر زمینِ وطن کی خاک کو نہ چھولیں... خون کے نذرانے پیش کرنے والے ایسے ہی سرفروشوں کی لہو رنگ داستانِ لازوال... آزاد فضاؤں میں سانس لینے کی بے تاب تمناؤں نے انہیں مصائب و آلام کی کٹھن گھڑیوں سے گزرنے کے باوجود ثابت قدم بنا رکھا تھا...

دہکتی آگ کے شعلوں میں گھری وادی......

اونچے چناروں میں کھوئی کہانی کے سنسنی خیز موڑ

ایلس ہیلو اور اس کے میڈیا گروپ کا جموں و کشمیر کا دورہ مکمل ہو چکا تھا۔

ایلس کا تعلق بین الاقوامی الیکٹرک میڈیا گروپ سے تھا۔ جموں و کشمیر کی صورتِ حال سے بین الاقوامی برادری کو مطمئن کرنے کے لیے بھارتی وزارتِ خارجہ نے اس میڈیا گروپ کی خدمات حاصل کی تھیں۔

بظاہر تو یہ میڈیا گروپ غیر جانبدارانہ رپورٹنگ کا علمبردار تھا مگر باخبر لوگ جانتے تھے کہ یہ میڈیا گروپ سفید

کو سیاہ اور سیاہ کو سفید دکھانے میں بڑی پیشہ ورانہ مہارت رکھتا ہے۔

منہ مانگے معاوضے کے بدلے اس گروپ کی میڈیا ٹیم اپنی رپورٹ مکمل کر چکی تھی۔ مہذب دنیا کو مقبوضہ کشمیر کی صورتِ حال کا صرف وہی رخ دکھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو بھارتی حکومت چاہتی تھی۔

ایلس ٹیم انچارج تھی۔ وہ تیس سال کی لمبی، تر نگی اور پُرکشش خدوخال کی حامل تھی۔ اس وقت وہ سری نگر میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں تھی۔ اپنا سامان وہ پیک کر چکی تھی۔ علی الصباح ان کی نیو دہلی کے لیے پرواز تھی جہاں سے شام سات بجے ایک اور پرواز سے اس ٹیم کو اپنے ملک لوٹ جانا تھا۔

ایلس نے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا۔ سامنے مشہورِ زمانہ ڈل جھیل اپنی وسعت اور فطری خوب صورتی کے ساتھ عیاں تھی۔ جھیل میں تیرتے شکارے، کشتیوں میں قائم دکانیں اور رہائشی ہوٹل۔ بظاہر ہر طرف سکوت نظر آتا تھا مگر اس سکوت کے پیچھے طوفان پلتے محسوس ہوتے تھے۔ جبر کی غیر مرئی زنجیر صاف محسوس ہوتی تھی جس نے اس ساری فطری خوب صورتی کو گہنا دیا تھا۔ ستے چہروں والے مقامی افراد..... جن کی آنکھوں سے ہراس جھلکتا تھا۔ ایلس اس جبر اور ہراس سے آنکھیں چراتی آئی تھی۔ اس ''چوری'' کے سبب دل میں بے کلی نے مستقل ڈیرے ڈال لیے تھے۔ اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس جنت نظیر وادی کے اسی لاکھ سے زائد مکین تو لاکھ قابض بھارتی فوج کے ہاتھوں یرغمال بن چکے ہیں اور جبر کے سائے میں اپنے شب و روز گزارنے پر مجبور ہیں۔

ایلس نے گہرا سانس لے کر دل کی بے کلی کو دبانے کی کوشش کی اور سوچوں کا رخ اپنے بوائے فرینڈ کیری اور برائے کی طرف موڑ دیا۔ واپسی پر بونس کی بھاری رقم کے ساتھ اس نے کیری کے ساتھ کریبین جزائر میں طویل چھٹیاں گزارنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔

چمکتا سورج، سفید ریت، شفاف پانیوں والے ساحل اور کیری کی مضبوط بانہیں۔ اس نے آنکھیں موند کر خود کو نشے میں ڈبونے کی کوشش شروع کر دی۔

میڈیا گروپ کی طرف سے دیا جانے والا ٹاسک تو اس نے بخوبی پورا کر دیا تھا مگر کسی ''اور'' کی طرف سے دیے جانے والے ٹاسک کو پورا کرنے سے وہ قاصر رہی تھی۔

حفاظت کی غرض سے سر پر مسلط حفاظتی دستے کے سبب وہ اپنی مرضی سے ایک قدم بھی دوسرے ٹاسک کی طرف نہیں بڑھا سکتی تھی۔ جواب دہی کی فکر دامن گیر تھی مگر وہ مطمئن تھی کہ اس کی مجبوری کو سمجھ لیا جائے گا۔

☆☆☆

علی ڈار شکارے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ وہ پچیس، چھبیس سال کا مضبوط کاٹھی کا کشمیری نوجوان تھا۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اس کی گہری نظریں ڈل جھیل کے پار ہوٹل سری نگر کی چار منزلہ عمارت کا جائزہ لے رہی تھیں۔

زعفرانی چائے ذائقے میں اپنی مثال آپ تھی۔ چائے کا ڈسپوزایبل کپ اس نے کچھ دیر پہلے ایک تیرتے ہوئے چائے خانے سے خریدا تھا۔

کشتی کا ملاح ایک ضعیف العمر کشمیری مسلمان تھا۔ اندر کو دھنسی دھندلی آنکھیں، بے ترتیب سر اور چہرے کے سفید بال، مدقوق جسم۔ پہلی نظر میں وہ ایک ایسا شخص نظر آتا تھا جس پر موت سایہ فگن محسوس ہوتی تھی۔ اس کی دھندلی آنکھوں میں جھانکنے پر آپ ہی آپ ہی دل میں القا سا ہوتا تھا کہ ان آنکھوں سے کوئی بہت بڑا خواب نوچ لیا گیا ہے۔

علی کی طرح وہ بزرگ بھی حسبِ روایت کشمیری چغے میں ملبوس تھا۔ چائے کا کپ ہونٹوں کے قریب لاتے ہوئے علی نے آہستگی سے کہا۔

''بابا! ہوٹل کی طرف۔''

بابا نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا مگر چند لمحوں میں ہی شکارے کا رخ تبدیل ہو گیا تھا۔

علی کی گہری نظریں گرد و پیش پر تھیں۔ قابض افواج کی موٹر بوٹس وسیع و عریض جھیل میں گشت پر رہتی تھیں۔ یہ گشت عموماً ویران حصوں تک ہی محدود رہتا تھا مگر یہ شتر بے مہار بوٹس سیاحوں کے رونق میلے والے حصے کی طرف بھی کبھار آنکلتی تھیں۔

جھیل میں ایک الگ ہی دنیا آباد تھی۔ اس ''دنیا'' پر نظر رکھنے کا کام قابض افواج مقامی غداروں سے لیتی تھی۔ جنہیں ''ہوم گارڈ'' کا خوشنما نام دیا گیا تھا۔

علی کو زیادہ خطرہ انہی نام نہاد ہوم گارڈز سے تھا جنہوں نے اس جھیل میں اپنی کاروباری سرگرمیوں کے تحفظ کی خاطر اپنے ضمیر کو بیچ دیا تھا۔

''کیا خبر ہے بابا؟'' علی نے کھلے پانی میں آتے ہی مبہم سوال کر دیا۔

"چھ افراد ہیں۔ صبح پانچ بجے فوجی انہیں ہوٹل سے ائرپورٹ لے جائیں گے۔" بابا کی آواز اتنی مدھم تھی کہ پوری کوشش سے ہی علی سُن پایا تھا۔

بابا نے مزید کہا۔ "سادہ لباس میں چھ کمانڈوز ان کے ساتھ ہی مقیم ہیں۔ ہوٹل کی پارکنگ میں بھی ایک مشین گن بردار گاڑی آن ڈیوٹی رہتی ہے۔"

علی بظاہر چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جھیل کی قدرتی خوب صورتی میں ڈوبا تھا مگر کان بابا کی طرف لگے ہوئے تھے۔

بابا کے خاموش ہوتے ہی علی نے کہا۔ "ہوٹل کی طرف ہماری پوزیشن کیا ہے؟"

"رضا، حمدان اور آیت اپنی جگہ مضبوط کر چکے ہیں۔ رضا کچن میں، حمدان پارکنگ میں اور آیت روم سروس۔ تینوں ہی چھوٹے ہتھیاروں سے لیس ہیں۔"

علی نے سب سے اہم سوال کیا۔ "رابطے کا ذریعہ کیا ہے؟"

"صرف ہونٹ اور کان۔"

علی نے ہونٹ بھینچ لیے۔ تحریک ہتھیاروں کی طرح اس شعبے میں بھی کمزور تھی۔ صرف غیر معمولی جذبے اور خون سے ہی آزادی کی اس کمزور سی تحریک کو سینچا جا رہا تھا۔ بیرونی امداد کا ہر راستہ قابض افواج اور عیارانہ ڈپلومیسی کے سبب بند تھا۔

عیارانہ ڈپلومیسی پوری طرح سے کامیاب تھی۔ امداد دینے کے خواہش منداس وجہ سے بے حد مجبور تھے کہ ایسی کسی کوشش کو فوراً "اسلامک دہشت گردی" سے جوڑنے کے لیے نام نہاد مہذب دنیا تیار بیٹھی تھی اور یہ بہت بڑا المیہ تھا۔ مظلوم کشمیری پیلٹ گنز، ٹینک، توپوں، مشین گنوں کا مقابلہ محدود تعداد میں فوجی مال خانوں سے چوری ہونے والے اور مہنگے ترین داموں ملنے والے اسلحے، پتھروں اور اپنے جذبۂ آزادی سے سرشار سینوں سے کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا مقابلہ جاسوسی کے ایک بہت بڑے نیٹ ورک سے بھی تھا۔ ہزاروں شکاری کتے حریت پسندوں کی خوشبو سونگھتے پھر رہے تھے۔

بابا نے کہا۔ "تمہارا انتظار ہو رہا تھا۔ جو کرنا ہے تم ہی کو کرنا ہے۔ آیت کی رپورٹ ہے کہ ان لوگوں میں سب سے اہم ایکس نام کی ایک لڑکی ہے۔ غالباً ٹیم انچارج ہے۔ ساری بیٹھکوں میں وہی نمایاں رہتی ہے۔ وقت محدود ہے۔ ہوٹل والوں کو جو منصوبہ دینا ہے، وہ بھی جلد دو اور جو کچھ اور چاہیے وہ بھی بتاؤ۔ بھرپور کوشش کی جائے گی تمہیں سب مہیا کر دیا جائے۔"

علی نے کہا۔ "فی الحال مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔" اس کا دماغ ایک منصوبے کے خدوخال میں الجھا ہوا تھا۔

بابا ویسے ہی خاموش ہو جاتا۔ ایک چھوٹا سا شکارا ان کی طرف آ رہا تھا۔ اس شکارے میں فروٹ کی دکان بھی تھی۔ قریب آتے ہی نوجوان کشمیری دکان دار نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور بڑے مہذبانہ انداز میں کہا۔

"صاحب! تازہ اور صاف پانی سے دُھلے ہوئے پھل حاضر ہیں۔ چاہیں تو فروٹ چاٹ بھی بنا کر دے سکتا ہوں۔"

علی نے ہاتھ میں تھامے چائے کے کپ میں جھانکا۔ کپ نصف کے قریب بھرا ہوا تھا۔ اس نے خوش دلی سے کہا۔ "چاٹ ہی مناسب رہے گی۔ بشرطیکہ میری چائے تم لے لو۔"

"کیوں نہیں صاحب!" نوجوان کے مشاق ہاتھ تیزی سے رواں ہو گئے۔

بابا چپ تھا۔ لاتعلق سا بیٹھا تھا۔

ایک منٹ سے بھی کم وقت میں ڈسپوزایبل پلیٹ مختلف پھلوں کے نفاست سے کٹے ہوئے ٹکڑوں سے بھر گئی۔ نوجوان نے ان پر مسالا چھڑکا۔ ٹوتھ پک سیب کے ٹکڑے میں پیوست کی اور پلیٹ علی کو تھمادی۔

علی نے پلیٹ لیتے ہوئے چائے کا کپ نوجوان کو پکڑا دیا۔ "کتنے ہوئے پیسے؟"

"نوّے روپے صاحب!" نوجوان نے دانت نکالے۔

علی نے سو روپے کا نوٹ اسے دیتے ہوئے کہا۔ "باقی رکھ لو۔"

نوجوان نے باچھیں پھیلاتے ہوئے نوٹ اپنے چغے کی اندرونی جیب میں منتقل کیا اور علی پر گہری سی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ایک کشمیری کو ڈل کی سیاحت کرتے دیکھ کر خوشی ہوئی۔ آپ غالباً باہر سے آئے ہیں؟"

"باہر سے تو نہیں۔ ویسے بارہ مولا میں رہتا ہوں۔ تعلیم مکمل کرنے کے لیے طویل عرصہ پونا میں رہا ہوں۔ ڈل دیکھے عرصہ بیت گیا تھا۔ سوچا دیکھ آؤں۔" علی نے تفصیل سے کہا۔

نوجوان نے حسبِ عادت پھر دانت چمکائے اور بابا

کی طرف متوجہ ہوا۔ ''شاہ بابا! آپ کا کیا حال ہے؟''
بابا نے روکھے سے انداز میں کہا۔ ''ٹھیک ہوں۔''
نوجوان شکارے کا رخ موڑ کر کسی اور گاہک کی تلاش میں نکل گیا۔
اس کے دور جاتے ہی بابا کی اضطرابی آواز اُبھری۔
''یہ کُتا ہے۔ دعا کرو خیریت رہے۔'' کتے کی اصطلاح غدار کے لیے استعمال ہوتی تھی۔
علی بھی اضطراب کا شکار ہو گیا۔ بابا نے تیزی سے چپّو چلائے اور سرینگر ہوٹل کے خدوخال نمایاں تر ہوتے گئے۔ جھیل کی طرف ہوٹل کا عقب تھا۔ کمروں کی کھڑکیاں جھیل کی طرف کھلتی تھیں۔ جھیل کے کنارے سے لے کر ہوٹل تک کی زمین ہوٹل ہی کی ملکیت تھی۔ اس طرف سبزہ زار تھا جس پر جگہ جگہ لان چیئرز پھیلی تھیں۔ ایک جیٹی بھی تھی۔ جہاں ہوٹل کی ملکیت شکارے اور موٹر بوٹس لنگر انداز تھیں۔ سبز گھاس اور پھولوں کے قطعوں کے درمیان سفید لان چیئرز بڑی بھلی لگ رہی تھیں مگر ویرانی بھی منہ چڑا رہی تھی۔ سیاحوں کی آمد نہ ہونے کے برابر تھی اور غیر ملکی سیاح تو اب قسمت سے ہی نظر آتے تھے۔
نئے الیکشن کے بعد سے تو حالات اور بھی ابتر تھے۔ قابض افواج کے نئے دستوں کی روز کی بنیاد پر آمد جاری تھی۔ پوری وادی ایک نئے خوف میں جکڑی ہوئی تھی۔ کسی انہونی کے خوف سے دل لرز رہے تھے۔
علی کے دماغ میں پنپتے منصوبے میں تیزی سے رنگ بھرنے لگے تھے۔ اس نے بابا کو شکارا واپس موڑنے کے لیے کہا۔
انہوں نے رخ موڑا ہی تھا کہ قابض افواج کی سیاہ بوٹ ڈل کے پانی کو چیرتی ہوئی تیزی سے ان کی طرف آتی نظر آئی۔ بوٹ میں نصب مشین گن دور ہی سے چمکتی نظر آرہی تھی۔
بابا نے زہریلے انداز میں کہا۔ ''کتے کی زبان حلق سے باہر آہی گئی ہے۔''
علی نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''آپ فکرمند نہ ہوں۔ میری پوزیشن مضبوط ہے۔ انہیں مطمئن کرلوں گا۔''
لمحوں میں موٹر بوٹ ان کے قریب پہنچ گئی۔ بوٹ میں سبز دھبے دار وردیوں اور بلٹ پروف جیکٹوں میں ملبوس چار سیاہ رو اہلکار سوار تھے۔ ان کا تعلق تال رائفلز سے تھا۔
بابا نے شکارا روک دیا۔
مشین گن پر تعینات اہلکار نے مشین گن کا رخ شکارے کی طرف کر دیا تھا۔
شکارے کے ساتھ لگتے ہی ایک درشت چہرے والے اہلکار نے علی پر نگاہیں گاڑیں۔ ''کیا ہو رہا ہے یہاں مہاشے؟''
علی نے نرمی سے کہا۔ ''کیا ہو سکتا ہے جناب! ذرا ڈل میں آوارہ گردی ہو رہی ہے۔''
درشت چہرے والا اہلکار جو سینئر تھا، رعونت آمیز انداز میں بولا۔ ''ایک کشمیری...... ڈل کی سیاحت کر رہا ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ الٹے بانس بریلی کو۔''
محاورے کے استعمال پر اس کے دیگر ساتھیوں نے فرمائشی قہقہہ لگایا۔ دوسرے اہلکار نے کہا۔ ''اسے ذرا کیمپ کی بھی آوارہ گردی کروا دیتے ہیں۔ مجھے تو شکل سے ہی آتنگ وادی لگ رہا ہے۔''
علی نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے جناب۔ میں محبِ وطن انڈین ہوں۔ پڑھائی کے سلسلے میں کشمیر سے دور رہا ہوں۔ پڑھائی سے فارغ ہو کر ذرا سیر و تفریح کو نکلا ہوں۔''
سینئر نے کہا۔ ''آئی ڈی کارڈ دکھا۔''
علی نے پرس میں سے کارڈ نکال کر سینئر کو تھماتے ہوئے کہا۔ ''میرا تعلق بارہ مولا کی ڈار فیملی سے ہے۔ ہماری فیملی کی اپنے ملک انڈیا کے لیے خدمات سے زمانہ واقف ہے۔ آتنگ وادی ہمیں نشانہ بنانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ الٹا آپ کے لوگ مجھے آتنگ وادی سمجھ رہے ہیں۔ میرے لیے یہ بڑے افسوس کا مقام ہے۔''
کارڈ اور علی کی لفاظی کام آگئی۔ سینئر مطمئن نظر آنے لگا۔ اس نے علی سے دو، تین سوال اس کی فیملی سے متعلق کیے اور پھر کارڈ اسے واپس کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ ''سیر و تفریح کے لیے حالات مناسب نہیں ہیں۔ کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا ہے، بہتر ہے گھر واپس چلے جاؤ۔''
''اس آگاہی کے لیے آپ کا شکریہ۔ میں صبح ہی بارہ مولا لوٹ جاتا ہوں۔''
سینئر اب بابا کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تیری طرف خاموشی ہی خاموشی ہے۔ کوئی خبر نہیں دے رہا۔ کہیں آتنگ وادیوں سے تو نہیں مل گیا تو؟''
بابا نے چپّو چھوڑ کر ہاتھ باندھے۔ ''کیسی بات کرتے ہو مائی باپ۔ میں تو روزگار کے ان دشمنوں کا سب سے بڑا مخالف ہوں۔ کسی لونڈے، لپاڑے پر شک ہوتے ہی آپ

کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

سینئر نے بابا پر نظریں جمائیں۔ "ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرنا...... نہیں تو......"

بابا نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا مائی باپ۔"

سینئر نے اثبات میں سر ہلایا۔ موٹر بوٹ اسٹارٹ ہوئی اور واپس مڑ گئی۔

بابا نے اطمینان کا گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "شکر ہے۔ ورنہ یہ آسانی سے ٹلنے والے نہیں تھے۔"

علی کی نظریں تیزی سے دور ہوتی موٹر بوٹ پر جمی تھیں۔

علی واپس رہائشی شکارے پر لوٹ آیا۔ بابا اسے چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔ علی مخروطی شکل کے رہائشی کمرے میں لیٹ گیا۔ کھڑکیوں پر اس نے پردے کھینچ دیے تھے۔ اس کا ذہن تیزی سے رواں تھا۔ دو گھنٹوں کے اندر، اندر اس نے ایک قابلِ عمل منصوبہ بنالیا تھا۔

تحریک سے وابستہ میزبان نے اس کے کہنے پر بابا کو بلا لیا۔ باقی کے معاملات تیزی سے طے ہوئے اور ہر کوئی اپنے کام پر لگ گیا۔

☆☆☆

رات کے بارہ بجتے ہی رضا اور آیت حرکت میں آ گئے۔ حمدان بیک اپ کے لیے پارکنگ میں چوکس تھا۔ غیر ملکی مہمانوں اور ان کی حفاظت پر مامور کمانڈوز کے لیے پورا فلور مخصوص تھا۔ ویسے بھی ہوٹل کے زیادہ تر کمرے خالی ہی پڑے ہوئے تھے۔

مہمانوں اور کمانڈوز کو کھانا سرو کرنے کی ذمے داری آیت کی تھی۔ وہ چھریرے جسم کی خوش شکل لڑکی تھی۔ اس ڈیوٹی کے دوران اسے کمانڈوز کی چھیڑ چھاڑ کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ یہ سب اس کی روح پر زخموں کی صورت نقش ہو رہا تھا۔

رات کے کھانے میں آیت نے مہمانوں اور کمانڈوز کو ایک بے رنگ و بو خواب آور دوا دے دی تھی جس کے بعد وہ سبھی گہری نیند میں غرق ہو چکے تھے۔

ہوٹل کے کچن سے چائے اور لوازمات کی ٹرالی تھام کر رضا مہمانوں والے فلور کی طرف بڑھا۔ مدد کے لیے آیت اس کے ساتھ تھی۔ یہ روٹین ورک تھا۔ اس لیے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

وہ مطلوبہ فلور تک آرام سے پہنچ گئے۔ یہاں سپروائزر آن ڈیوٹی تھا۔ وہ، انہیں دیکھ کر حیران ہوا۔ "چائے کون پیے گا۔ یہاں تو ہر طرف خاموشی ہے؟"

"آرڈر ہے۔" آیت نے کندھے اچکائے۔

رضا ٹرالی چھوڑ کر حرکت میں آنے کے لیے تیار تھا۔ جیسے ہی سپروائزر نے رخ موڑا، اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ رضا کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر آیا۔ دوسرے لمبی وزنی پسٹل جو کپڑے میں لپٹا ہوا تھا، اس کی کنپٹی پر پڑا اور پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

رضا نے اسے بازوؤں میں سنبھال کر آرام سے راہداری میں بچھے دبیز قالین پر لٹا دیا۔ اس دوران آیت کے ہاتھوں میں بھی پسٹل نظر آنے لگا تھا۔ اس نے بلی کی سی پھرتی سے کمانڈوز والے کمرے کا بھی جائزہ لے لیا تھا۔ زود اثر دوا نے ان لوگوں کو دروازے اندر سے بند کرنے کا بھی موقع نہیں دیا تھا۔

رضا اور آیت نے لمحوں میں مہمانوں کا بھی جائزہ لے لیا۔ سبھی انٹا غفیل پڑے تھے۔

رضا بولا۔ "فلور کا دروازہ اندر سے بند کر دو۔ ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں ہے۔ ہماری کارروائی زیادہ دیر چھپی نہیں رہ سکے گی۔"

آیت اثبات میں سر ہلاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔

رضا دوڑتا ہوا کمانڈوز والے وسیع و عریض کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کی کھڑکی کھول کر اس نے جیب سے چھوٹی مگر طاقتور ٹارچ نکالی اور مخصوص سگنل دے کر ٹارچ آف کر دی۔

کمرے میں مرداروں کی طرح پڑے بھارتی سورماؤں پر اس نے نفرت انگیز نظر ڈالی۔ وہ بے ترتیب کپڑوں کے مانند پورے کمرے میں بکھرے پڑے تھے۔ ان کے ہتھیار البتہ ایک کونے میں ترتیب سے رکھے تھے۔

جدید ترین مختصر سائز کی MI رائفلیں دیکھتے ہی رضا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ ندیدوں کے مانند رائفلوں پر جھپٹا۔ ایمونیشن، بریٹا پسٹل، دستی بم، کمانڈو خنجر وہاں بہت کچھ تھا۔ اپنا پسٹل پوشیدہ کر کے اس نے ایک MI سنبھال لی۔ طاقتور ہتھیار کے لمس نے سینے میں مچلتے طوفان کو دوچند کر دیا۔ دل میں آئی کہ مرداروں کی طرح پڑے بھارتی سورماؤں کو چھلنی کر دے مگر اپنی کیفیت پر اس نے قابو پالیا۔ وہ اس مشن کا لیڈر نہیں تھا۔

☆☆☆

آسمان پر بادلوں کا راج تھا۔ ڈل پر تاریکی نے اپنے پر پھیلا رکھے تھے۔ یہ تاریکی آزادی کے متوالوں کے لیے بڑی سازگار تھی۔

علی اور تحریک کا ایک کارکن مامون مکمل سیاہ لباس میں تاریکی کا ہی حصہ لگ رہے تھے۔ وہ ایک چھوٹے شکارے پر بے حد خاموشی سے سرینگر ہوٹل کے عقبی سبزہ زار تک پہنچے تھے۔ دونوں اس وقت جیٹی کی سیڑھیوں کے نیچے دبکے ہوئے تھے۔

منصوبے کے مطابق تو ان کی واپسی شکارے پر خاموشی سے ہونی تھی مگر بیک اپ کے طور پر مامون کے مشاق ہاتھوں نے ہوٹل کی ایک طاقتور موٹر بوٹ کو اپنے تابع بنالیا تھا۔

جیسے ہی دوسری منزل کی ایک کھڑکی میں ٹارچ کا مخصوص سگنل نظر آیا، ان دونوں کے سینے جوش سے بھر گئے۔ ہوٹل والے ان کے ساتھ اپنے حصے کا کام مکمل کر چکے تھے۔

دونوں برق رفتاری سے حرکت میں آئے۔ ہوٹل کی عمارت تک کا فاصلہ انہوں نے تیزی سے طے کیا۔ گراؤنڈ فلور کی بالکونی سبزہ زار سے محض پانچ فٹ کی بلندی پر تھی۔ وہ بالکونی میں کود گئے۔ اس بالکونی والا کمرا ابھی ویران پڑا ہوا تھا۔

مامون نے حلق سے ایک شب بیدار پرندے کی آواز نکالی۔ یہ پرندہ جھیل کے اطراف میں عام پایا جاتا تھا۔ فوراً ہی ایسی آواز اوپر والی منزل کی بالکونی سے بھی ابھری تھی۔

☆☆☆

سگنل کور کا صوبے دار بشورام، ڈل جھیل میں پٹرولنگ بوٹ پر ڈیوٹی پر تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے سامنے سرینگر ہوٹل کی عقبی کھڑکی میں سے ٹارچ چمکتی دیکھی تھی۔ اس کے بعد سے اس کے دماغ میں کچھ کھٹک سا رہا تھا۔ کوئی کوندا سا تھا جو دماغ کی طرف لپکتا تھا اور پھر درمیان سے ہی رخ بدل لیتا تھا۔

بشورام نے اس کھٹک سے توجہ ہٹانے کے لیے دماغ کو مصروف کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس کی ریٹائرمنٹ میں چند ماہ ہی رہ گئے تھے۔ اس کا ارادہ گریجویٹی کی رقم سے ٹریکٹر خرید کر آبائی زمین پر خود کھیتی باڑی کا تھا۔

تصور کے گھوڑے نے جست بھری۔ بشورام اپنے آبائی گاؤں میں درختوں کے نیچے بچھی چارپائی پر لیٹا حقہ گڑگڑا رہا تھا۔ گندم کے گوشے سنہری مائل ہو رہے تھے۔ سامنے کچی پگڈنڈی پر نوجوان بیٹا نئے نکور ٹریکٹر پر جیسے اڑا چلا آ رہا تھا۔ ہر طرف شانتی اور امن ہی امن تھا۔ یہ نہیں کہ ہر پل دھڑکا لگا رہے کہ ابھی کسی طرف سے آتنگ وادی حملہ آور ہو جائیں گے یا ابھی دستی بم پاس آ کر گرے گا اور سب خواب ادھورے رہ جائیں گے۔

بشورام یکلخت سیدھا ہو کر بیٹھا۔ جتنی تیزی سے وہ اپنے آبائی گاؤں کھٹالی گیا تھا، اتنی ہی تیزی سے واپس ڈل جھیل میں ہچکولے لیتی بوٹ پر لوٹ آیا تھا۔ دماغ کی طرف لپکنے والے کوندے نے اس دفعہ رخ نہیں بدلا تھا۔ لاشعور سے آ کر سیدھا شعور سے ٹکرایا تھا اور کاسۂ سر میں ادھم مچا دیا تھا۔

سروس کے ابتدائی دنوں میں اس نے "متروک کوڈ ورڈز" کا ایک کورس امتیازی نمبروں سے پاس کیا تھا۔ کچھ دیر پہلے سرینگر ہوٹل کی عقبی کھڑکی پر چمکنے والی روشنی نے ایک متروک لائٹ ورک کوڈ "جیک ولسن" کی زبان میں کہا تھا۔

"آجاؤ، سب اچھا ہے۔"

بشورام جانتا تھا کہ ہوٹل میں کچھ خاص غیر ملکی مقیم ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے یونٹ کو چوکس رہنے کی ہدایت تھی۔

بشورام حلق کے بل چلّایا۔ "سامنے ہوٹل میں کوئی گڑبڑ ہے۔"

☆☆☆

حمدان، چھریرے جسم کا نوجوان لڑکا تھا۔ اس کے جسم پر پارکنگ بوائے کی میلی سی وردی تھی۔ انڈر گراؤنڈ پارکنگ ایریا میں گنتی کی چند گاڑیاں تھیں۔ اکثریت ہوٹل کے لوڈرز اور پسنجر گاڑیوں کی تھی۔ ان میں سب سے اہم ایک ہیوی مشین گن بردار فوجی جیپ تھی۔

اس وقت حمدان لوہے کی ایک کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا مگر درحقیقت اس کی تمام تر توجہ سامنے کھڑی فوجی جیپ پر تھی جس کی فرنٹ سیٹ پر لیفٹیننٹ رینک کا نوجوان آفیسر منہ پر کیپ رکھے سو رہا تھا۔ ڈرائیور باہر کھڑا سگریٹ پھونکتے ہوئے دونوں گنرز سے گپ شپ کر رہا تھا۔ وہ چاروں ہی حمدان کے لیے آسان نشانہ تھے۔

اچانک پارکنگ کی پُرسکوت فضا جیپ میں نصب وائرلیس سے ابھرنے والی ایک چیختی ہوئی آواز سے مرتعش

ہوگئی۔ ''الفا، مہمانوں کی خبر لو۔ کوئی گڑبڑ ہے۔ ان کے محافظ جواب نہیں دے رہے اوور!''

یہ الفاظ نہیں گویا بم تھا جو قابض فوجیوں کے درمیان آکر گرا تھا۔ وہ ہڑبڑا گئے۔ سوئے ہوئے نوجوان آفیسر نے ہڑبڑاہٹ کی کیفیت میں اٹھنے کی کوشش کی تو اس کا سر جیپ کی چھت سے جا ٹکرایا۔ حمدان کا ہاتھ خودبخود ہی پسٹل کی جانب رینگ گیا تھا۔ اس کے ساتھی نہ صرف حرکت میں آچکے تھے بلکہ کامیابی کی طرف قدم بھی بڑھا چکے تھے۔

حمدان کی آنکھیں لہورنگ ہوگئیں۔ بازو میں فولادی سختی ابھری اور فضا گولیوں کی آواز سے گونج اٹھی۔

پہلی گولی ڈرائیور کی پیشانی پر لگی۔ منہ میں سگریٹ دبائے وہ الٹ کر جیپ کے ٹائر سے جا ٹکرایا۔ دوسری دو گولیوں نے بلٹ پروف جیکٹس میں ملبوس دونوں گنرز کی پیشانیاں بھی چھید دیں۔ محض آٹھ، نو فٹ کے فاصلے سے نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

نوجوان آفیسر فائرنگ ہوتے ہی اپنی جگہ پر دبک گیا۔

حمدان برق رفتاری سے جیپ تک پہنچا۔ وہ جانتا تھا کہ نوجوان آفیسر کے اوسان بحال ہوگئے اور وہ جیپ میں مورچابند ہوگیا تو بڑی مشکل ہوجائے گی مگر جیپ کا دروازہ کھولتے ہی اس کا اندیشہ ہوا ہوگیا۔ نوجوان آفیسر اوندھے منہ سیٹوں پر پڑا کانپ رہا تھا۔

حمدان کے وجود میں نفرت کا رنگ اور زہریلا ہوگیا۔ نہتے کشمیریوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنے والے ہتھیار کے سامنے کانپنے لگ جاتے تھے۔ اس نے قریب سے نوجوان آفیسر کی کھوپڑی میں گولی اتار دی۔

پارکنگ کی بند فضا بارود کی بُو سے بھر گئی تھی۔

حمدان نے آفیسر کی لاش گھسیٹ کر جیپ سے نیچے پھینک دی۔ جیپ کے اندر اور باہر خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔

اچانک فضا ریپیٹر کی مہیب آواز سے گونج اٹھی۔ چھرے مینہ کی طرح جیپ پر برسے تھے۔ حمدان نیچے گر گیا۔ اس کی خوش قسمتی کہ وہ چھروں کی زد میں نہیں آیا تھا۔

جیپ پر مسلسل ریپیٹر کا فائر آرہا تھا۔ حمدان جانتا تھا کہ ریپیٹر سے ہوٹل کے گارڈز مسلح ہوتے ہیں۔ یہ کوئی ہوٹل کا گارڈ ہی تھا۔

وہ رینگتا ہوا جیپ کے نیچے سے دوسری طرف آگیا۔ اس دوران میں اس کی وردی قابض فوجیوں کے خون سے لتھڑ گئی تھی۔ ڈرائیور کی خودکار رائفل بھی وہ ساتھ لے گیا تھا۔ فائرنگ سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فائرنگ کرنے والا گارڈ کچن کے پارکنگ میں کھلنے والے دروازے کے آس پاس ہی ہے۔

جیپ کا وائرلیس مسلسل چیخے جارہا تھا۔ ''کہاں مر گئے ہو الفا! جواب کیوں نہیں دے رہے اوور!''

ریپیٹر والے گارڈ کی طرف خاموشی تھی۔ وہ یقیناً کوئی دلیر شخص تھا اور اب اپنی پوزیشن مضبوط کررہا تھا۔ حمدان جانتا تھا کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے۔ پٹرولنگ پر تعینات دستے ہوٹل کی طرف چل پڑے ہوں گے۔ کچھ ہی دیر میں ہوٹل بھوکے بھیڑیوں کے نرغے میں آنے والا تھا۔

حمدان کو اس وقت تک ان بھیڑیوں کو روکنا تھا جب تک اس کے ساتھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوجاتے۔

اس نے جیپ کے ٹائر کی اوٹ میں رہتے ہوئے سر اٹھایا۔ کئی گاڑیوں کے اوپر سے کچن کا فولادی دروازہ نظر آرہا تھا۔ جو بند پڑا ہوا تھا۔ گارڈ کا بھی کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ یقیناً وہ ہوٹل کی عمارت کا بوجھ اٹھائے درجن بھر سے زائد ستونوں میں سے کسی کے پیچھے پوزیشن لیے ہوئے تھا۔ اچانک حمدان کی نگاہ ریپیٹر سے نکلنے والے کارتوسوں کے خولوں پر پڑی۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ گارڈ کس ستون کے پیچھے پوزیشن لیے ہوئے ہے۔

ایک تدبیر کو آزماتے ہوئے اس نے اپنا پسٹل ایک طرف اچھال دیا۔ وزنی پسٹل ایک گاڑی کی باڈی سے پُرشور انداز میں ٹکرایا تو گارڈ نے اس جانب فائر جھونک دیا۔

گارڈ کی پوزیشن واضح تر ہوچکی تھی۔ ریپیٹر کے فائر کی بازگشت میں حمدان نے اپنی جگہ چھوڑی۔ دوڑتے ہوئے وہ فضا میں اچھلا۔ ایک لوڈر کے بونٹ سے تھرو لے کر وہ فرش پر تیزی سے اسکڈ کرتا چلا گیا۔ جب تک گارڈ سنبھلتا، حمدان اس کے قدموں میں تھا۔ سبز رنگ کی نیم فوجی دستوں جیسی وردی میں ملبوس لمبا چوڑا گورکھا چوکیدار جب تک ریپیٹر کا رخ اپنے قدموں کی طرف کرتا، حمدان کی انگلی ٹریگر دبا چکی تھی۔

ناف پر لگنے والے برسٹ نے گورکھا گارڈ کو اچھال کر دور پھینک دیا۔ وہ جاں کنی کی کیفیت میں تڑپنے لگا۔

حمدان تیزی سے جیپ میں گھسا۔ چیختے چلاتے وائرلیس سیٹ کو اس نے کھینچ کر باہر پھینک دیا۔ چابی لگی ہوئی تھی۔ اس نے سلف مارا اور پہلے گیئر میں ہی جیپ کو اڑا

دیا۔ طاقتور انجن گرجا اور جیپ ایک گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

حمدان نے خود پر قابو رکھتے ہوئے جیپ کو سنبھالا اور اسے پارکنگ سے باہر لے آیا۔ باہر آتے ہی اس نے رفتار بڑھا دی۔ لمحوں میں جیپ تنگ مگر پختہ راستے کو پاٹتے ہوئے ایک گھماؤ تک پہنچ گئی۔ یہ خاصی بلند جگہ تھی۔ یہاں سے ہوٹل کا عقب اور ہوٹل کی طرف آنے والی پختہ سڑک دونوں ہی حمدان کے نشانے پر تھے۔ اس نے جیپ کو تھوڑا سا ترچھا کر کے ایک چٹان کی اوٹ میں کر دیا۔ سڑک کی توسیع کی غرض سے اس چٹان کو توڑا گیا تھا۔ جس کے سبب اس کے درمیان خلا سا بن گیا تھا جو اس وقت حمدان کے لیے ایک زبردست مورچے کا کام دینے والا تھا۔

حمدان نے رائفل کندھے پر لٹکائی اور باہر نکل آیا۔ یہی وقت تھا جب نیچے گہرائی میں ہوٹل کی طرف آنے والی سڑک پر متعدد گاڑیوں کی روشنیاں چمکیں اور انجنوں کی غراہٹ اس کے حساس کانوں سے ٹکرائیں۔ وہ اچھل کر جیپ کے عقبی حصے میں چڑھ گیا۔ دونوں گنرز کی لاشیں ایک دوسرے کے اوپر پڑی تھیں۔ اس نے لاشوں کو ایک طرف دھکیلا۔ تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ حسبِ توقع جیپ کے فرش پر ہیوی مشین گن کے دو اضافی ایمونیشن بکس پڑے ہوئے تھے۔ ایک بکس مشین گن کے ساتھ اٹیچ تھا۔ اس نے مشین گن کا لاک ہٹا کر اسے مختلف سمتوں میں گھما کر دیکھا اور مطمئن ہو گیا۔ اس کی پشت پر موجود وزنی چٹان کے سبب اس کا عقب محفوظ تھا۔ بلندی نے اس کی فائر پاور میں بے حد اضافہ کر دیا۔ بھرپور اعتماد اور بلند حوصلے کے ساتھ وہ آنے والے خونی بھیڑیوں کا شکار کرنے کے لیے تیار تھا۔ جیب سے ٹارچ نکال کر اس نے قریب ہی رکھ لی تھی۔

☆☆☆

علی، آیت، رضا اور مامون نے بڑی احتیاط کے ساتھ ایلس کے بے حس و حرکت وجود کو نیچے اتار لیا تھا۔

بھارتی سورماؤں کے ہتھیار انہوں نے بانٹ لیے تھے۔ اضافی رائفلیں اور ہتھیار آیت کے کندھوں پر تھے جبکہ ایلس کو رضا نے کسی بوری کے مانند اپنے کندھے پر ڈال رکھا تھا۔

وہ ابھی سبزہ زار پر ہی تھے کہ گولیاں چلنے کی مدھم آوازیں ان کی سماعت سے ٹکرائیں۔ "لگتا ہے کچھ زیادہ جلدی ہی داستان مکمل گئی ہے۔" سنگین ترین لمحات میں بھی علی کی آواز پُرسکون تھی۔ آیت نے اس کی تائید کی۔ "یہی ہوا ہے۔ حمدان حرکت میں آچکا ہے۔ یہ فائرنگ یقیناً اسی کی طرف سے ہوئی ہے۔ پارکنگ میں تعینات پارٹی کو اس نے بے خبری میں دبوچ لیا ہے۔"

علی نے کہا۔ "واپسی کے لیے شکارا نامناسب ہے۔" پھر اس کا روئے سخن مامون کی طرف ہوا۔ "بوٹ اسٹارٹ کرو مامون! فائرنگ کی آواز سنتے ہی پٹرولنگ بوٹس کا رخ ہوٹل کی طرف ہو چکا ہوگا...... ہری اپ۔"

مامون نے تمام تر احتیاط بالائے طاق رکھی اور جیٹی کی طرف دوڑ لگا دی۔ جب تک باقی لوگ جیٹی تک پہنچتے، وہ طاقتور موٹر بوٹ کو اسٹارٹ کر چکا تھا۔ اس دوران ہوٹل کی طرف سے فائرنگ کی آواز ان تک پہنچتی رہی تھی۔

بوٹ میں بیٹھتے ہی علی نے کہا۔ "پٹرولنگ بوٹ کے لیے ہم بے حد آسان ٹارگٹ ہیں۔ ہم پر فائر آتے ہی سب لوگ پانی میں کود جائیں۔ مغوی کو بوٹ میں ہی چھوڑ دیا جائے۔ زندگی ہوئی تو اگلی ملاقات رحمان بابا کے گھر پر ہوگی۔"

آنے والے وقت کی گمبھیرتا سبھی کے چہروں پر نظر آنے لگی تھی۔ جواب میں سب خاموش رہے تھے۔

مامون نے تمام تر لائٹس بند رکھتے ہوئے بوٹ آگے بڑھا دی۔ بوٹ کا رخ جھیل کے قریب ترین کنارے کی طرف تھا۔ یہ کنارہ ہوٹل کی طرف آنے والے پہاڑی راستے کے دوسری طرف پھیلی مسلم آبادی تک جاتا تھا۔

ہوٹل کی طرف سے فائرنگ کی آواز کو تھمے دیر ہو گئی تھی۔ رضا نے طے شدہ معاملات کے مطابق ٹارچ نکال کر اس کا رخ ہوٹل کی طرف آنے والے راستے کی طرف کر کے مخصوص سگنل دیا۔ جس کا جواب چند لمحوں میں ہی آگیا۔ خاصی دور بلندی پر ٹارچ مخصوص انداز میں چمکی تھی۔

رضا خوشی سے چلایا۔ "کشمیر کا شیر، دشمن کی ہیوی مشین گن کے ساتھ ان کا راستہ روکے ہوئے ہے، وہ ہم لوگوں کو بھی کور دے گا۔"

اس خبر نے سب کے سینے جوش سے بھر دیے۔ آیت خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ اس نے بے اختیار آزادی کا مخصوص نعرہ بلند کر دیا۔ جس کا جواب دینا سب پر فرض تھا۔ اگلے ہی لمحے ڈل جھیل کی تاریک فضا آزادی کے پُرجوش نعروں سے گونج اٹھی تھی۔

ٹھیک اسی وقت ہیوی مشین گن کی گھن گرج بلند ہوئی۔ ان لوگوں نے آتشیں لکیروں کو برق کے مانند گہرائی

میں اترتے دیکھا۔ حمدان ہوٹل کی طرف آنے والے پٹرولنگ دستوں کو سرپرائز دینے میں کامیاب رہا تھا۔ یقیناً خونی بھیڑیوں کے غول میں بھگدڑ مچ گئی ہوگی۔

مامون ممکن تیز رفتاری سے بوٹ کو اڑائے جارہا تھا۔ سبھی ہتھیار سنبھالے چوکس تھے۔ وہ کنارے سے ابھی دور ہی تھے۔ جب پٹرولنگ بوٹ ان کی نظروں میں آئی۔ اس کا رخ ہوٹل کی طرف تھا اور اس کے اوپر نصب سرچ لائٹ تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت کررہی تھی۔ کوئی لمحہ جاتا تھا، ان کی بوٹ سرچ لائٹ کی زد میں آنے والی تھی۔

سبھی کی MI کا رخ پٹرولنگ بوٹ کی طرف تھا مگر وہ موثر رینج سے ابھی دور تھی۔ اس سے پہلے کہ ان کی بوٹ سرچ لائٹ کی زد میں آتی، پٹرولنگ بوٹ حمدان کی زد میں آگئی۔ ہیوی مشین گن دھماکے سے گرجی۔ بلندی سے آتشیں لکیریں مینہ کے مانند پٹرولنگ بوٹ پر برسیں اور لمحوں میں ہی پٹرولنگ بوٹ آگ کا گولا بن گئی جس نے ڈل کے ایک حصے کو روشن کردیا تھا۔ آزادی کے متوالوں کی بوٹ ایک دفعہ پھر نعروں سے گونج اٹھی تھی۔

ہوٹل کی طرف آنے والا راستہ میدانِ جنگ کا منظر پیش کرنے لگا تھا۔ دوطرفہ زبردست فائرنگ نے ہر طرف خوف وہراس پھیلادیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ بہ خیریت کنارے پر پہنچ گئے۔ بوٹ ان کا ''نقشِ پا'' تھی اس لیے بوٹ کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ ڈل کی لہریں اسے بہا کر کہاں سے کہاں لے جاتیں۔

رضا نے کنارے پر کھڑے ہو کر حمدان کو اپنی کامیابی اور اسے واپس آنے کا سگنل دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ لوگ چھوٹی چھوٹی گلیوں والے اس گنجان آباد علاقے میں داخل ہوچکے تھے۔

فائرنگ کی خوفناک آوازوں نے علاقے کے مکینوں کو ایک نئے خوف میں مبتلا کردیا تھا۔ وہ اپنے اپنے بستروں میں مزید دبک گئے تھے۔

کسی کی نظروں میں آئے بغیر وہ لوگ گلیوں میں سے ہوتے ہوئے ایک چوراہے پر پہنچ گئے۔ مامون نے رہنمائی کے فرائض انجام دیے تھے۔

چوراہے پر ایک ڈھابا نما ہوٹل تھا جس کے بڑے سے تندور کے پاس کھڑی ضعیف العمر عورت تاریکی کا ہی حصہ نظر آرہی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی اس عورت نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''اِدھر آجاؤ میرے بچو!'' اس نے تندور کا ڈھکن ہٹادیا۔

ایک ایک کرکے وہ لوگ ایلس ہیلو سمیت تندور میں اتر گئے۔ یہ تحریکِ آزادی کے محفوظ ترین سیف ہاؤسز میں سے ایک تھا۔

☆☆☆

سرینگر میں قابض افواج کے ملٹری ہیڈکوارٹر کے ایک الگ تھلگ گوشے میں بنی عمارت میں اہم ہنگامی اجلاس جاری تھا۔

داخلی سلامتی کے ذمے دار تین مختلف اداروں کے اسسٹنٹ سیکریٹری کے عہدوں کے حامل افراد سرجوڑے بیٹھے تھے۔ چوتھا شخص جو اس اجلاس کی صدارت کررہا تھا، اس کا تعلق وفاقی وزارتِ داخلہ سے تھا۔ سندیپ ٹھاکر نام کا یہ شخص ایک گھاگ آفیسر تھا اور اس وقت خاصا برہم تھا مگر اپنے تاثرات وہ بڑی کامیابی سے چھپائے ہوئے تھا۔ وہ دوپہر کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے سرینگر پہنچا تھا۔ گفتگو اور الزام تراشیوں کا ایک سیشن ہوچکا تھا۔ پہلے تو تینوں اداروں کے نمائندوں نے خود کو گزشتہ شب کے واقعے سے بری الذمہ قرار دیا تھا اور اس کی ذمے داری دوسرے ادارے پر ڈالی تھی۔ جوابی وار کے بعد رفتہ رفتہ تینوں نمائندے اکٹھے ہو گئے تھے اور انہوں نے واقعے کا ذمے دار قابض افواج کو ٹھہرایا تھا۔ فوج کا کوئی نمائندہ اپنے دفاع کے لیے موجود نہیں تھا۔ دلائل دے کر گفتگو کو سمیٹتے ہوئے تیواری لال نامی آفیسر نے کہا۔

''مہمانوں کی حفاظت کی تمام تر ذمے داری مقامی فوجی ہیڈکوارٹر کی تھی۔ مہمانوں کے ساتھ رہائش پذیر بلیک کیٹ کمانڈوز، پارکنگ میں تعینات پٹرول جیپ، ڈل میں دندناتی پٹرولنگ بوٹس...... یہ سب مل کر بھی مٹھی بھر آتنگ وادیوں کو نہیں روک سکے۔ الٹا گیارہ بندے کھیت ہوئے ہیں۔ سمجھ نہیں آتی آتنگ وادیوں نے بے ہوش پڑے کمانڈوز کو زندہ کیسے چھوڑ دیا۔ ان کی گردنیں کٹ جاتیں تو ایک بہت بڑا طوفان بہت سوں کی نوکریاں بہا کر لے جاتا۔''

اس کی الجھن دور کرتے ہوئے دوسرے آفیسر ارجن نائر نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ ''یہ موسلے آتنگ وادی ہمارے مقابلے میں خود کو بڑے بلند آدرش کا مالک ظاہر کرتے ہیں۔ عورتوں، بچوں اور نہتے دشمنوں کو اپنا نشانہ نہیں بناتے۔''

اس بات پر سبھی کے چہروں پر زہرآمیز اور تمسخر کی آمیزش والی مسکراہٹیں دوڑ گئی تھیں۔

سندیپ ٹھاکر نے کونین جیسے الفاظ کو شہد بھرے انداز میں کہا۔ "آپ لوگوں کے دلائل سننے کے بعد میں تو رپورٹ میں آپ کے اداروں کو بری الذمہ ہی لکھوں گا۔"

یہ سنتے ہی تینوں کے چہرے کھل اٹھے۔

سندیپ ٹھاکر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "مگر اس سے پہلے میں مقامی ہیڈ کوارٹر سے کسی کو بلاؤں گا تو وہ کہے گا...... ہوٹل کے ملازمین کی چھان بین ہماری ذمے داری نہیں تھی۔ ہمارے پاس ایسے کسی آتنک وادی حملے کی پیشگی انٹیلی جنس رپورٹ نہیں تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ، اس سارے معاملات کا ذمے دار معاف کیجیے گا آپ کے اداروں کو ٹھہرائے گا تو بتائیں میں رپورٹ میں واقعے کے ذمے داروں کا تعین کر کے خطا کار کس کو ٹھہراؤں گا۔" اس نے خاموش ہو کر باری، باری تینوں کے چہروں کی طرف دیکھا جہاں لمحہ بھر پہلے نظر آنے والی چمک تیزی سے معدوم ہو گئی تھی۔

ہمیش خان نامی آفیسر نے پہلے تو سامنے پڑی بوتل سے دو گھونٹ پانی پیا۔ پھر اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرے خیال میں تو ہیڈ کوارٹر سے کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں اعتراف کر لینا چاہیے کہ فوج کے ساتھ ساتھ ہم سب بھی اس واقعے کے ذمے دار ہیں۔" چھوٹے سے کمرے میں گمبھیر خاموشی در آئی۔ کسی نے بھی ہمیش خان سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

سندیپ ٹھاکر کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک نمودار ہوئی۔ اس نے کہا۔ "اب تک کی سب سے معقول بات آپ نے کی ہے۔ ہم سب ہی اس واقعے کے ذمے دار ہیں۔"

ارجن نائر اور تیواری لال نے بھی گرگٹ کی طرح رنگ بدلا اور اس کے ہمنوا ہو گئے۔

سندیپ ٹھاکر نے نظر کی عینک لگا کر ایک فائل کھولی اور چند منٹ کے لیے اس میں محو ہو گیا۔ باقی تینوں خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگے جہاں گمبھیرتا تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے فائل بند کی اور عینک اتارتے ہوئے بولا۔ "یہ فائل مجھے ائرپورٹ پر دی گئی تھی۔ ہیلی کاپٹر میں زیادہ توجہ سے میں اسے نہیں دیکھ پایا تھا۔ یہ فائل ایک انٹیلی جنس رپورٹ پر مشتمل ہے جو ہمارے سب سے معتبر وفاقی انٹیلی جنس کے محکمے کی طرف سے براہ راست پردھان منتری آفس کو بھیجی گئی ہے۔"

تینوں کی نظریں اس فائل پر جم سی گئیں۔

سندیپ ٹھاکر کے لہجے میں سنسناہٹ نمایاں ہوئی۔ "معتبر ترین انٹیلی جنس رپورٹ کے مطابق آتنک وادیوں کا ایک اعلیٰ تربیت یافتہ گروپ وادی میں لانچ ہو چکا ہے۔ ان کی تربیت کہاں اور کن ہاتھوں میں ہوئی، اس پر فی الحال کام ہو رہا ہے۔"

"میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ گزشتہ شب کی کارروائی میں ممکنہ طور پر اسی نئے گروپ کا ہاتھ ہے۔ اس کے علاوہ اس رپورٹ میں.... سب سے پریشان کن خبر سے آگاہ کیا گیا ہے' وہ اس گروپ کے ساتھ لانچ ہونے والے چار افغانی ہیں جو ہتھیار سازی میں مہارت رکھتے ہیں۔ جو معمولی ساز و سامان سے چھوٹے ہتھیار بنانے کی بھرپور اہلیت رکھتے ہیں۔" لمحاتی وقفے کے بعد اس نے مزید کہا۔ "آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم کامیاب ڈپلومیسی اور اربوں ڈالرز جھونک کر بڑی کامیابی سے آتنک وادیوں کی جدید اسلحے تک رسائی کے ننانوے فیصد راستے بلاک کر چکے ہیں اور باقی ایک فیصد بھی بلاک کرنے کی کوشش میں شب و روز مصروفِ عمل ہیں۔ اگر یہ افغانی مقامی آتنک وادی تحریک کے لیے کوئی اسلحہ ساز فیکٹری لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور تحریک چھوٹے ہتھیاروں میں خود کفیل ہو جاتی ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں ہماری افواج کے لیے یہ کتنا کٹھن چیلنج ہوگا۔"

اس دہلا دینے والے اندیشے نے حقیقی معنوں میں تینوں اسسٹنٹ سیکریٹریز کو متفکر کر دیا تھا۔ کشمیر کا بچہ بچہ آزادی مانگ رہا تھا، ہاتھوں میں پتھر اور آنکھوں میں آگ لیے وہ قابض افواج کے سامنے سینہ سپر تھا۔ اس کے ہاتھ میں پتھر کی جگہ خودکار رائفل آجاتی تو یقیناً بھارتی سورماؤں کے لیے موت کا پیغام بن جاتا۔

سندیپ ٹھاکر کی زبان رواں تھی۔ "اب یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ان چاروں افغانیوں کو وادی کے طول و عرض میں سے کھوج نکالیں اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے سے پہلے انہیں کسی برقی بھٹی میں جھونک دیں۔ اس کے علاوہ اس نئے گروپ کو بھی کسی بڑی کارروائی سے پہلے نرکھ کا راستہ دکھا دیں۔"

تینوں نے بھرپور انداز میں اس عزم کا اعادہ کیا۔

سندیپ ٹھاکر نے کہا۔ "اب میں سب سے اہم خبر آپ لوگوں کے ساتھ شیئر کر رہا ہوں۔"

تینوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
سندیپ ٹھاکر نے ڈرامائی وقفہ دے کر کہا۔
''راجدھانی میں آج کل سب سے گرم موضوع 'کشمیر کی خصوصی حیثیت' کے خاتمے کا ہے۔ کسی دن آپ اچانک سنیں گے کہ پارلیمنٹ نے جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت ختم کردی ہے۔ اب وہ باقاعدہ فیڈریشن کا حصہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ اور فوج کو خصوصی اختیارات مل جائیں گے۔ آپ کچھ بھی کرنے کے لیے مکمل آزاد ہوں گے۔ پورے کشمیر میں مقاصد کے مکمل حصول تک لاک ڈاؤن ہوگا۔ میڈیا، انٹرنیٹ، لینڈ لائنز، موبائل فون سب خاموش ہوں گے۔''
سندیپ ٹھاکر کے لہجے نے رنگ بدلا۔ ''خصوصی اختیارات کے ساتھ مقاصد کے حصول میں جزوی طور پر بھی ناکام رہنے والے اداروں کے بجٹ میں تیس فیصد سے زیادہ کٹوتی کردی جائے گی اور فیصلے کی طاقت کے حامل بہت سے لوگوں کو جبری ریٹائرمنٹ کے نئے قانون کے تحت گھر بھیج دیا جائے گا۔ آپ لوگ جن اداروں کے نمائندے ہیں۔ سو فیصد کارکردگی نہ دینے کی صورت میں سب سے زیادہ متاثر ہوں گے اور کارکردگی دکھانے کی صورت میں سب سے زیادہ مستفید۔'' یہ کہہ کر سندیپ ٹھاکر نے اپنی سیٹ چھوڑ دی اور مزید کہا۔
''اس فائل کی کاپی آپ لوگوں کو مہیا کردی جائے گی اور گزشتہ رات والے واقعے کی رپورٹ فی الحال میں کچھ دن کے لیے مؤخر کررہا ہوں...... آپ لوگوں کے پاس وقت ہے۔ ایلس ہیلو کو ہر قیمت پر بازیاب کروائیں۔ اسے اغوا کرنے والے بھی شاید اس کی اہمیت سے بخوبی واقف نہیں ہیں۔ اس کے میڈیا گروپ نے ایک طوفان اٹھا رکھا ہے۔ شدید پریشر آپ کی طرف چل پڑا ہے۔ میں زیادہ دیر تک اسے روک نہیں پاؤں گا۔ میری نیک خواہشات آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ایلس ہیلو کی آنکھ ایک نامانوس اور خوف زدہ کردینے والے احساس کے ساتھ کھلی تھی۔ اسے لگا تھا کہ جس مخصوص بستر اور ماحول میں اس کی آنکھیں بند ہوئی تھیں، اب وہ اس سے مختلف ماحول اور جگہ پر ہے۔ وہ گھبرا کر تیزی سے اٹھی تو سر بڑے زور سے چکرایا۔ خفگی کے احساس کے ساتھ وہ گرنے لگی تو کسی نے اسے بانہوں میں سنبھال لیا۔ اسے محسوس ہوا کہ سنبھالنے والا وجود نسوانی ہے۔ اسے آرام سے تکیے پر لٹا دیا گیا۔ ایک پُرلوچ نسوانی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''آرام سے لیٹی رہو، دھیرے دھیرے آنکھیں کھولو اور پھر آرام سے چاہو تو اٹھ بیٹھو۔'' یہ الفاظ صاف انگریزی میں ادا کیے گئے تھے۔
تیز دھڑکن اور ہولا دینے والے اندیشوں کے ساتھ ایلس نے آنکھیں کھول دیں۔ چمک دار آنکھوں، شفاف جلد اور گھنیرے بالوں والی ایک مقامی لڑکی اس پر جھکی ہوئی تھی۔ ایلس کی حسیں لوٹنے لگیں۔ آواز اور لڑکی دونوں اس کے لیے اجنبی نہیں رہے تھے۔ یہ اس کے ہوٹل کی میزبان تھی جس کا نام اسے یاد نہیں آرہا تھا۔ اسے قدرے اطمینان ہوا۔ ساتھ ہی وہ مخصوص باس اس کے نتھنوں سے ٹکرائی جو زمین دوز جگہوں کا خاصہ ہوتی ہے۔
''میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟'' ایلس نے کمزور سی آواز میں کہا۔ ''اور میں کہاں ہوں؟ یہ ہوٹل تو نہیں ہے۔'' ساتھ ہی وہ اٹھ بیٹھی۔ منظر نمایاں ہوگیا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرا تھا جس میں برقی لائٹس روشن تھیں۔ ساخت سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ زمین دوز کمرا ہے۔
ایلس فرشی بستر پر تھی۔ اس کے قریب ہی میزبان لڑکی بیٹھی تھی اور سامنے مضبوط جسم اور گہری سیاہ آنکھوں والا ایک لڑکا کھڑا ہوا تھا۔ ایک کونے میں واٹر کولر رکھا تھا اور دوسری طرف پرانی سی چادر تنی تھی۔ غالباً اس چادر کے دوسری طرف رفع حاجت کا انتظام تھا۔ نکاسی کا بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔
ایلس مضبوط اعصاب کی لڑکی تھی۔ ہر طرح کے حالات کا اس نے مقابلہ کیا تھا اور اب بھی کرسکتی تھی۔ اس نے خود کو سنبھالا۔ اسے یقین ہوگیا کہ اس کے ساتھ ضرور کوئی انہونی ہوگئی ہے۔ نوجوان لڑکا دو قدم بڑھ کر اس کے قریب آگیا اور بولا۔ ''تم اغوا ہوچکی ہو اور تمہاری میزبان تحریکِ آزادی جموں وکشمیر ہے۔''
ایلس کو ایسے ہی کسی جواب کی توقع تھی، وہ بولی۔
''ایک صحافی کو اغوا کرکے تحریک اپنے سینے پر کون سا تمغا سجانا چاہتی ہے۔ یہ حرکت تم لوگوں کو مغربی دنیا کی ہمدردی سے دور کردے گی۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا، مجھے چھوڑ دو۔''
نوجوان کے چہرے پر بظاہر مسکراہٹ کے جو تاثرات نمایاں ہوئے تھے، ایسا لگتا تھا جیسے کوئی تصویر ترخ گئی ہو، وہ بولا۔ ''مغربی دنیا کی یہ ہمدردی ہمیں تو 72 سالوں میں کہیں نظر نہیں آئی۔ انسانیت نواز لوگوں کی ہمدردی کو تحریک سلام کرتی ہے۔ خیر یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر دونوں طرف سے خوب بحث کی جاسکتی ہے۔ تم ذرا

روشنی ڈالوگی کہ ہماری ہمدردی میں تمہارا میڈیا گروپ کہاں کھڑا ہے؟ تحریک کو چھوڑ دو۔ عام کشمیریوں کی بات کرو۔''

نوجوان جو علی، ڈار تھا، اس کی سیاہ آنکھیں ایلس پر جمی تھیں اور پہلی دفعہ ایلس کو محسوس ہوا کہ اس کے سامنے آزادی کا متوالا محض ایک جذباتی نوجوان نہیں ہے۔ خیالات کو مجتمع کرتے ہوئے اس نے قریب بیٹھی لڑکی کی طرف دیکھا۔

''کیا نام ہے تمہارا...... آنسہ......''

لڑکی نے اس کا فقرہ کاٹ کر تصحیح کی۔ ''آیت۔''

''ہاں...... آیت، کیا تم بھی اس سرپھرے کے ساتھ ہو؟''

آیت کی آنکھوں کی چمک دوچند ہوگئی۔ اس نے اثبات میں سرہلایا۔ ''مجھے فخر ہے اس بات پر۔''

ایلس چند لمحے ہونٹ بھینچے اسے دیکھتی رہی پھر گہرا سانس لے کر علی کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''تم نے بہت اچھی بات کی کہ میرا میڈیا گروپ کہاں کھڑا ہے۔ ہم لوگ بے شک عام کشمیریوں کے ساتھ کھڑے ہیں جو نام نہاد آزادی کی تحریک سے تنگ......''

اس کا فقرہ درمیان میں ہی رہ گیا تھا کہ ''چٹاخ'' کی زوردار آواز سے گونج اٹھا تھا۔

اٹھنے والا ہاتھ آیت کا تھا جو بھوکی شیرنی کے مانند ایلس پر پل پڑی تھی۔ ایلس نے بھی کمزوری نہیں دکھائی تھی۔ لمحوں میں ہی دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو جھنجھوڑنے لگ گئی تھیں۔

علی نے بمشکل دونوں کو جدا کیا۔ اس کوشش میں اسے آیت کو دو تھپڑ بھی لگانے پڑے تھے جو آؤٹ آف کنٹرول ہورہی تھی۔ اس کی ایک ہی گردان تھی۔ اس کتیا نے تحریک کو گالی دی ہے۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گی اسے۔''

علی نے حلق سے مخصوص آواز نکالی تو کمرے کی چھت میں ایک سوراخ نمودار ہوا اور کچھ افراد نے نیچے جھانکا۔ علی کے کہنے پر بانس کی بنی مخصوص سیڑھی لٹکائی گئی جس کے ذریعے آیت کو اوپر بھیج دیا گیا۔ آخری لمحے تک اس کی خشمگیں نظریں ایلس پر جمی رہی تھیں۔

اس سارے عمل کو ایلس نے بغور دیکھا تھا۔ دھینگا مشتی کے دوران اس نے محسوس کیا کہ اس کی پنڈلی کے ساتھ کچھ بندھا ہوا ہے۔ اس نے پنڈلی عیاں کی تو دنگ رہ گئی۔ اس کی شناسا نگاہوں نے دیکھ لیا کہ اس کی پنڈلی ایک جدید ترین ''لاکڈ بم'' سے جکڑی ہوئی تھی۔ اس کا دماغ لٹو کے مانند گھوم گیا۔ کچھ دن پہلے نظروں سے گزرنے والے ایک میگزین کے مندرجات نظروں کے سامنے عیاں ہو گئے۔

150 گرام ٹی این ٹی سے لدے بم کو عرف عام میں ''بلبل بوائے'' کہا جاتا تھا۔ اسے ریموٹ سے بھی کنٹرول کیا جاسکتا تھا۔ دو ڈیوائسز کے درمیان مواصلاتی فاصلے کا تعین کر کے اسے بلاسٹ ہونے کی کمانڈ دی جاسکتی تھی۔ اس کے علاوہ مخصوص کوڈ کے بغیر اسے کھولنے یا توڑنے کی کوشش بھی اس کے بلاسٹ ہونے کا ایک یقینی سبب تھی۔ فی الحال وہ آف تھا۔

ایلس کا رنگ فق ہوگیا۔ ''یہ...... کک...... کیا ہے؟''

''تمہارے چہرے کی رنگت بتارہی ہے۔ تم اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہو۔''

ایلس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا۔ ''یہ شاید کوئی ریموٹ کنٹرول بم ہے۔''

علی نے کہا۔ ''اس کے بارے میں بعد میں بات کرتے ہیں۔ میں اپنی ساتھی کے جذباتی پن کے لیے تم سے معذرت خواہ ہوں۔ ہماری تحریک نہتوں پر تشدد کے سخت خلاف ہے خاص طور پر بچے اور خواتین۔''

ایلس نے ہونٹوں سے رسنے والے خون کو انگلی سے صاف کیا۔ ''کوئی بات نہیں۔ کچھ لوگوں کے پاس جب کہنے کو کچھ نہیں بچتا تو وہ مارنے پر اتر آتے ہیں۔ تمہارے بارے میں ابھی میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ممکن ہے تھوڑی دیر میں تم بھی شرافت کا یہ جامہ اتار پھینکو۔''

علی نے بغور اسے دیکھا۔ ''لگتا ہے تمہاری گہرائی ناپنی پڑے گی۔ تم محض صحافی نہیں ہو۔''

ایلس نے بے پروائی سے کہا۔ ''جو مرضی آئے ناپو...... فی الحال میں، تمہاری قید میں ہوں اور خود کو بدترین حالات کے لیے ذہنی طور پر تیار کر چکی ہوں۔''

علی نے کہا۔ ''گڈ! یہ اچھی بات ہے کہ چیخنے، چلانے کے بجائے تم نے خود کو حالات کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ میں کھانے کے لیے کہتا ہوں۔ تم چودہ گھنٹے سے زائد بے ہوش رہی ہو۔''

بھوک اور پیاس کا فطری تقاضا، حالات کی سنگینی کے سبب دب گیا تھا جس نے علی کے یاد دلانے پر دوبارہ سے سر اٹھایا۔

ایلس نے رضامندی ظاہر کی تو تھوڑی دیر میں اس کے لیے تازہ کھانا آگیا۔

کھانے کے بعد ایلس نے چائے کے لیے منع کر

دیا۔ علی کے لیے چائے آگئی۔ وہ کپ تھام کر آلتی پالتی مار کر ایلس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "ہاں تو آیت کے جھگڑا کرنے سے پہلے ہم کہاں تھے۔ تم غالباً عام کشمیریوں کو آزادی کی تحریک کا مخالف قرار دے رہی تھیں۔"

ایلس نے ٹھوس انداز میں کہا۔ "بالکل یہی کہا تھا میں نے۔ میں، تم سے سوال کرتی ہوں کہ تحریک نے عام کشمیریوں کو کیا دیا ہے...... جذباتی نعروں کے سوا؟" اس نے بڑے اعتماد سے علی کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑیں۔

"تحریک اور عام کشمیریوں کو جدا، جدا دیکھنا۔ منفی پروپیگنڈے کا حصہ ہے جس سے تم متاثر ہو۔ رہی یہ بات تحریک نے عام کشمیریوں کو کیا دیا ہے تو۔ تحریک شروع ہی عام لوگوں نے کی ہے۔ آزادی کا خواب تمہیں ہر کشمیری کی نگاہوں میں نظر آئے گا۔ میں پھر کہوں گا تحریک اور عام کشمیری کو جدا جدا نہیں دیکھا جاسکتا۔" علی کے سینے میں کچھ جلنے سا لگا تھا۔

ایلس کو اپنی مضبوطی کا احساس ہوا، وہ بولی۔ "میں اور میری ٹیم درجنوں عام کشمیریوں سے ملے ہیں۔ ان کے انٹرویوز بھی ہم نے کیے ہیں۔ وہ بھی آزادی کی تحریک سے بیزار تھے۔ ان لوگوں کے خیال میں تحریک کی وجہ سے عام کشمیریوں کا روزگار ٹھپ ہوا۔ کشمیریوں کے لیے روزگار کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ سیاحت تھی۔ جواب نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔ پھلوں کی فصل منڈیوں میں پڑی برباد ہورہی ہے۔ پنجاب اور مشرقی ہندوستان سے آنے والے بیوپاری اب کشمیر کی منڈیوں کا رخ نہیں کررہے۔ ان بیوپاریوں کو خوف ہے کہ "آزادی کے متوالے" نہ صرف ان سے رقم چھین لیں گے بلکہ قتل بھی کردیں گے۔"

علی کے سینے میں طوفان مچل رہے تھے جنہیں بمشکل دباتے ہوئے وہ بولا۔ "جن عام کشمیریوں سے تم ملی ہو، انہیں باقاعدہ منصوبہ بندی سے تیار کرکے تم سے ملوایا گیا تھا۔

"تم بندوقوں کے سائے سے نکل کر عام کشمیریوں سے ملتیں تو تمہیں ہر طرف پیلٹ گن سے چھلنی چہرے ملتے جن کی آنکھوں میں بسیرا کیے خواب بھی پیلٹ گن سے چکنا چور ہوچکے ہیں۔ تمہیں بے نور آنکھوں والے ایسے ہزاروں بوڑھے والدین ملتے جن کے جوان بیٹے قابض فوجی اٹھا کر لے گئے اور ان کی واپسی کی راہ تکتے تکتے ان کی آنکھیں بے نور ہوگئیں۔ تمہیں دنیا و مافیہا سے بے بہرہ ایسے نوجوان ملتے جن کی جوان بہنوں کی فوجی کیمپوں میں اجتماعی آبروریزی کی گئی اور ان کی چیخ و پکار لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے سارے اہل علاقہ نے سنی۔ تمہیں دانے، دانے کو ترستے ایسے لوگ ملتے جو باغات کے مالک تھے مگر اب ان کے باغات فوجی کیمپوں میں تبدیل ہوچکے ہیں۔ تم درجنوں کشمیریوں سے تو ملی ہو مگر لاکھوں کشمیریوں سے تمہیں دور رکھا گیا ہے۔ ایلس ہیلو اور ان لاکھوں لوگوں سے میں اب ملواؤں گا تمہیں اور تصویر کا یہ دوسرا رخ تمہارے میڈیا گروپ کو دنیا کو دکھانا پڑے گا۔" طوفانوں کو دباتے، دباتے وہ اپنے عزائم آشکار کرگیا۔

نوجوان کے عزائم اس کے اندازوں سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن تھے۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی رہائی کے بدلے اپنے کچھ ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کرے گا۔ جسے پورا کرنا اس کے میڈیا گروپ کے لیے معمولی بات تھی۔ اس لیے وہ کچھ زیادہ ہی پُراعتماد تھی۔ اس کے علاوہ اس کے کچھ اور مقاصد بھی تھے وہ فوری رہائی کی خواہش مند بھی نہیں تھی۔

"کیا ہوا مس صحافی! تمہیں چپ کیوں لگ گئی ہے۔ صحافت کی اعلیٰ اقدار کے مطابق تمہارے میڈیا گروپ کو تصویر کا دوسرا رخ دکھانے میں کوئی مضائقہ تو نہیں ہونا چاہیے۔"

"کک...... کیوں نہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ میں آزادانہ رپورٹنگ کروں۔"

علی کی آنکھوں سے زہریلا تمسخر جھانکنے لگا۔ "دل پر ہاتھ رکھ کر بولو! تم نے اب تک جو رپورٹنگ کی ہے، وہ آزادانہ رپورٹنگ کے زمرے میں آتی ہے؟"

ایلس کی نظریں خود بخود ہی جھک گئیں۔ اسے احساس ہوا نوجوان، اس سے ایک قدم آگے ہے۔

علی بولا۔ "تمہاری جھکی نظریں، میرے سوال کا جواب ہیں۔" ایک طویل اور افسردہ سی سانس لے کر اس نے مزید کہا۔ "تمہارے میڈیا گروپ کو نہ جانے کن شرائط کے ساتھ کشمیر میں لایا گیا، میں نہیں جانتا۔ تمہاری اب تک کی "کارکردگی" سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے تم نے صرف اور صرف بھارتی حکومت کے مفاد کا ہی تحفظ کیا ہے مگر میں، تمہیں تصویر کا دوسرا رخ ضرور دکھاؤں گا جو پیلٹ گن سے چھلنی ہے۔ شاید تمہارے ضمیر کو ٹھوکر لگے اور وہ جاگ جائے۔"

ایلس نے موضوع بدلنے کی غرض سے کہا۔ "میری رہائی کے بدلے تمہارے مطالبات کیا ہیں؟"

علی نے ٹھنڈی ہو جانے والی چائے کا کپ نیچے رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" اس نے کلائی پر بندھی گھڑی کے ڈائل سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی تو ایلس کو محسوس ہوا۔ اس کی دائیں ٹانگ میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی ہے۔ ساتھ ہی "بپ...... بپ" کی مخصوص آواز ابھری تو اس نے گھبرا کر اپنی ٹانگ اوپر اٹھائی جس پر "ملٹی بوائے" جما بیٹھا تھا۔

"یہ...... یہ کیا ہوا ہے؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

علی نے بے پروائی سے کہا۔ "کچھ خاص نہیں، تمہاری پنڈلی سے بندھا بم ایکٹی ویٹ ہو گیا ہے۔ میری کلائی پر بندھی گھڑی اور اس بم کا درمیانی فاصلہ دس میٹر ہوتے ہی بم خودبخود پھٹ جائے گا اس لیے اپنی کسی بھی نقل و حرکت کی ذمے دار تم خود ہوگی۔"

ایلس کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔ ٹھنڈے پسینے کے قطرے پیشانی پر نمودار ہو گئے۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "یہ فاصلہ تمہاری طرف سے بھی تو بڑھ سکتا ہے۔"

علی نے مسکراتے ہوئے حلق سے مخصوص آواز نکالی۔ "بے فکر رہو، یہ گھڑی ہمیشہ اسی کی کلائی میں رہے گی جو تمہارے قریب ترین ہو۔"

چھت مکمل کی گئی تھی۔ بانس کی سیڑھی نیچے لٹکا دی گئی۔ علی نے اس پر قدم رکھتے ہوئے کہا۔ "کوشش کرنا اس بم کے پھٹنے کی نوبت نہ آئے۔ ایک "عام کشمیری" نے اپنا باغ اونے پونے داموں بیچ کر اس بم کو خریدنے کے لیے فنڈنگ کی ہے۔"

ایلس ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

☆☆☆

وہ رات سرینگر کی مسلمان آبادیوں کے لیے قیامت کی رات تھی۔ سرچ آپریشن کے نام پر قابض افواج بھوکے درندوں کے مانند ان پر ٹوٹ پڑی تھی۔ سیکڑوں فوجیوں نے تاؤبٹ نامی اس بستی کو بھی گھیر لیا تھا جہاں ایلس ایک زمین دوز تہ خانے میں موجود تھی۔

گھر، گھر تلاش کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ خواتین سے دست درازی ہو رہی تھی۔ مردوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا تھا اور نوجوان لڑکوں کے ہاتھ پشت پر باندھ کر انہیں ایک میدان میں اکٹھا کیا جا رہا تھا۔ علی تہ خانے میں اترا تو اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور ہاتھوں میں M1 رائفل تھی۔ اس کی کمر سے بندھی بیلٹ سے دستی بم بھی جھول رہے تھے۔

"آؤ، تمہیں تصویر کا دوسرا رخ دکھاؤں۔"

اس کے لہجے میں ایسی قطعیت اور مسخر کر دینے والی قوت تھی کہ کوشش کے باوجود ایلس کی زبان انکار نہ کر سکی۔

اسے تہ خانے سے نکال کر کشمیری لباس پہنایا گیا اور سر کے بالوں کو ڈھانپنے کے لیے مخصوص کپڑا باندھ دیا گیا۔ اس معمولی سی تبدیلی نے ہی ایلس کی شناخت کو کافی حد تک چھپا لیا تھا۔ اسے ایک چھوٹا مگر جدید ترین کیمرا تھما دیا گیا۔ ایلس نے پہچان لیا۔ یہ کیمرا انہی کے ساز و سامان کا حصہ تھا۔

علی نے اس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

ایلس نادیدہ زنجیر سے جکڑی تیزی سے اس کے پیچھے ہو لی۔ ایک چھوٹے سے صحن سے گزر کر اور پھر چوبی سیڑھیوں کے ذریعے وہ چھت پر آ گئے۔

چھت پر آتے ہی ایلس کی سماعت سے آہ و بکا کا مدھم شور ٹکرایا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے سیکڑوں مرد و زن مل کر آہ و بکا کر رہے ہوں۔ دور کہیں آگ کا انعکاس بھی نظر آ رہا تھا۔ وقفے وقفے سے فائرنگ کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

علی کی پُرسکون مگر زہرخند آواز ابھری۔ "تمہاری تلاش میں قابض فوجی بھیڑیوں کے مانند "عام کشمیریوں" پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ میرے ساتھی بھی صف بندی کر رہے ہیں۔ تم دیکھو گی کہ یہ "سورما" نہتوں کا کیا حال کرتے ہیں اور بندوق کے سامنے کیسے بھیگی بلی بن جاتے ہیں۔"

گنجان آباد آبادی کی چھتوں کے ساتھ چھتیں ملی ہوئی تھیں۔ علی کے پیچھے چھتیں پھلانگتی ایلس کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ اچانک ہی اسے اندازہ ہوا کہ وہ قابض فوج کے سرچ آپریشن کے مرکزی حصے میں ہے۔ اس نے گلی کے نکڑ پر ایک چیختی چلاتی لڑکی کو دیکھا جو دیوانہ وار بھاگ رہی تھی اور دو فوجی اس کے تعاقب میں تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے لڑکی کو جا لیا۔

ایلس کا کیمرا حرکت میں آ گیا۔

لڑکی بری طرح سے چیختے ہوئے ان فوجیوں کے سامنے مزاحمت کر رہی تھی جو اسے جانوروں کے مانند بھنبھوڑتے ہوئے ایک طرف گھسیٹ رہے تھے۔

علی چھت پر اپنی موجودگی کو مخفی رکھنا چاہتا تھا مگر جو کچھ سامنے ہو رہا تھا، اس سے بھی نگاہ نہیں چرائی جا سکتی تھی۔ اس کی M1 سنگل شاٹ پر دو دفعہ گرجی اور درندوں کا روپ دھارے دونوں فوجی اپنے ہی خون میں نہا گئے۔

لڑکی اپنی پھٹی اوڑھنی کو سنبھالتے ہوئے ایک کھلے

دروازے میں غائب ہوگئی۔

علی نے تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”جلدی آؤ۔“

تھوڑی دیر میں وہ چھتیں پھلانگتے موقع سے کافی دور نکل گئے۔ بہت سی چھتوں پر انہیں ہراساں چہروں پر مرد و زن اور خوف زدہ بچے بھی نظر آئے۔ علی کشمیری زبان میں انہیں حوصلہ اور ہمت سے کام لینے کا کہتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔

جس چھت سے علی نے فائرنگ کی تھی، وہ علاقہ بھارتی فائرنگ کی زد میں تھا اور اس فائرنگ نے لوگوں کے خوف و ہراس میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ دونوں ایک مسجد کی چھت پر پہنچ گئے۔ چھت پر ایک بلند چوبی مینار تھا جس کی انتہائی بلندی پر لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے تھے۔

علی نے جیب سے چھوٹی سی ٹارچ نکال کر جلائی اور چوبی مینار کی جڑ میں کچھ ڈھونڈنے لگا۔ چند لمحوں بعد ایلس حیرت زدہ رہ گئی۔ ڈیزائن دار چوبی مینار کے نچلے حصے میں سے تین فٹ کا ایک ٹکڑا علی نے علیحدہ کر لیا تھا۔ وہاں تاریک خلا نظر آرہا تھا۔

علی نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ”اوپر چڑھنے کا راستہ تمہیں مل جائے گا۔ یہاں سے دور، دور تک تمہارا کیمرا کام کر سکے گا۔“

ایلس نے گھبرا کر پوچھا۔ ”اور تم......؟“

تاریک اندھیرے میں علی کے دانت چمکے۔ ”بے فکر رہو۔ میں آس پاس ہی ہوں۔ ویسے چاہو تو بھاگنے کے لیے یہ سنہری موقع ہے۔“

”تم طنز کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔“ ایلس نے تلخی سے کہا اور جھک کر مینار کے تاریک خلا میں داخل ہوگئی۔

”سوری۔“ علی نے ٹکڑا واپس اپنی جگہ رکھتے ہوئے کہا۔

ایلس کی وحشت زدہ آواز ابھری۔ ”سوری، اپنے پاس رکھو۔ مجھے کچھ نظر نہیں آرہا۔ اوپر کیسے چڑھوں گی؟“

”ہاتھ سے ٹٹولو۔ مینار کی چوڑائی، تمہاری ٹانگوں کی چوڑائی کے بمشکل نصف ہے۔ دونوں طرف نیچے سے اوپر فٹ فٹ کے فاصلے پر لکڑی کے ٹکڑے لگے ہوئے ہیں۔ ان پر پاؤں جماتے ہوئے آرام سے چڑھ جاؤ گی۔“

”لعنت ہو۔“ ایلس بڑبڑائی۔ تھوڑی سی کوشش سے اس نے دونوں طرف ٹکڑے ڈھونڈ لیے۔ ان پر پاؤں جما کر اوپر چڑھنا کچھ خاص مشکل نہیں تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ خاصی بلندی پر پہنچ گئی۔ مینار کے ڈیزائن دار حصوں سے باہر جھانکنا آسان تھا۔ سارا علاقہ اس کے سامنے کھلی کتاب کی طرح تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ ساتھ ہی دل کو دھڑکا سا بھی تھا۔ کہیں وہ نوجوان...... جس نے اپنا نام علی بتایا تھا...... بھارتی فوجیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔

علی اور اس کے درمیان فاصلہ دس میٹر سے زیادہ ہوتے ہی اس کے چیتھڑے اڑ جانا یقینی تھا۔ ”ٹفل بوائے“ زہریلے سانپ کے مانند اس کی پنڈلی کے گرد لپٹا ہوا تھا۔

ذہن سے اس خوف کو جھٹکتے ہوئے وہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ علی کے ساتھ بحث و مباحثہ اس نے محض اس لیے کیا تھا کہ خود کو غیر جانبدار ثابت کر سکے۔ ورنہ اسے وادی کے حالات کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا۔ وادی کے لوگ ظلم و جبر کی چکی میں پس رہے تھے۔ اس حوالے سے اس کا ضمیر پہلے بھی کچوکے لگا رہا تھا مگر اس مینار کی بلندی سے اس نے جو کچھ دیکھا، اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

گھر گھر تلاشی کے دوران قابض فوجی معصوم بچوں کو اٹھا اٹھا کر پٹخ رہے تھے۔ علی کے ہاتھوں اپنے دو ساتھیوں کی ہلاکت نے جیسے انہیں دیوانہ کر دیا تھا۔ عورتوں اور بوڑھوں کو رائفلوں کے بٹ مار مار کر ادھ موا کر دیا گیا تھا۔ نوجوانوں پر تو تشدد کی انتہا کی جارہی تھی۔ انہیں ہاتھ باندھ کر ایک میدان میں اکٹھا کیا جارہا تھا اور درجنوں فوجی پوچھ گچھ کے نام پر...... بے طرح تشدد کر رہے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے دو نوجوانوں کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ لکڑی کے بنے دو مکانوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا تھا غالباً قابض فوجیوں کے خیال میں وہاں آتنک وادی چھپے ہوئے تھے۔

دو نوجوانوں کی ہلاکت نے اہلِ علاقہ کے خوف کو اشتعال میں بدل دیا۔ مجمع ہو کر انہوں نے قابض فوج کے خلاف نعرے بازی شروع کر دی تھی۔

قابض فوج نے اس مجمع کے خلاف بے دریغ طاقت کا استعمال کیا۔ ان پر آنسو گیس کے شیلوں کی بارش کر دی گئی۔

اس دوران ایلس نے بدنام زمانہ پیلٹس گن کا گھناؤنا استعمال دیکھا۔ باریک ذروں جیسے ہزاروں چھرے مینہ کی طرح برسے اور انہوں نے درجنوں نہتے کشمیریوں کو زخمی کر دیا۔ یہ خطرناک گن، اسرائیلیوں کی مکروہ ایجاد تھی۔ ہلاک یا شدید زخمی کرنے کے بجائے اس گن سے فائر ہونے والے

کارتوسوں میں مقید سیکڑوں باریک چھرے، نشانہ بننے والے کے لیے شدید اذیت کا باعث بنتے تھے۔ نصف انچ تک جسم میں دھنس کر یہ انگارے کی طرح دہکنے لگتے تھے۔ ہزاروں کشمیریوں کے چہرے ان گنز نے داغ دار کردیے تھے اور سیکڑوں کو بینائی سے محروم کردیا تھا۔

انسانی حقوق کے علم برداروں کی جانب سے اس گن کے استعمال پر پابندی تھی مگر قابض افواج جہاں دیگر پابندیوں کو ہوا میں اڑا چکی تھی۔ اس معمولی پابندی کو کہاں خاطر میں لاتی۔ وہ جانتی تھی۔ زبانی جمع خرچ کے علاوہ کشمیریوں کی مدد کرنے کے لیے کسی کو کچھ نہیں کرنا۔

ایک انسان کا دوسرے انسان پر وحشیانہ تشدد دیکھ کر ایلس لرز کر رہ گئی۔ سنی سنائی اور آنکھوں سے دیکھی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ جو کچھ کانوں سے سنا تھا، آج آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

اپنے رخساروں پر نمی محسوس ہوئی تو اس نے چھو کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے بے آواز بہنے والے آنسو اس کا چہرہ بھگو رہے تھے جو اس بات کی نشانی تھے کہ ابھی اس کے اندر کا انسان زندہ تھا۔ ضمیر کروٹیں لے کر بیدار ہو رہا تھا۔

ایلس نے دھندلا جانے والی آنکھیں مسلیں اور نئے عزم کے ساتھ اپنے کام میں لگ گئی۔

ظلم بڑھتا ہے تو مٹ بھی جاتا ہے۔ آزادی کے متوالے اپنی صف بندی کر چکے تھے۔ یکے بعد دیگرے دستی بموں کے دھماکے ہوئے اور ظالم درندوں میں کھلبلی مچ گئی۔ آزادی کے متوالوں نے تین اطراف سے درندوں پر بڑی منصوبہ بندی سے ہلا بول دیا تھا۔

آگ اور خون کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ بھارتی سورما ہتھیاروں کے سامنے واقعی بھیگی بلی بن گئے تھے۔ مینار کے نچلے حصے میں کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور پھر مینار کی گھٹن زدہ فضا میں علی کی مدھم آواز ابھری۔ ''نیچے آجاؤ، ہمیں اس علاقے سے نکلنا ہے۔ وقت بہت کم ہے۔ آزادی کے متوالے اپنی جانیں دے کر ہمارے لیے محفوظ راستہ بنا چکے ہیں۔''

☆☆☆

داخلی سلامتی کے تین اداروں کے بہترین ایجنٹوں پر مشتمل اسپیشل ٹاسک فورس راتوں رات تشکیل دے دی گئی تھی جس کا سربراہ کرنل دیپ راج کو بنایا گیا تھا۔

کرنل دیپ کا سابقہ ریکارڈ شاندار تھا۔ اسے وسیع تر اختیارات کے ساتھ...... ایلس ہیلو کی بازیابی، اسے اغوا کرنے والے گروپ کا قلع قمع اور ان چار افغانیوں کی کھوج کا ٹاسک دیا گیا تھا جو اسلحہ سازی میں مہارت رکھتے تھے۔

دیپ راج بڑی سرعت سے حرکت میں آچکا تھا۔ سرینگر ہوٹل کا وہ اسسٹنٹ منیجر زیرِ عتاب تھا جس نے بوگس شناختی دستاویزات پر آیت وغیرہ کو ملازم رکھ لیا تھا۔ اس اسسٹنٹ منیجر کے علاوہ دو ویٹر بھی زیرِ عتاب تھے جن سے ان تینوں کی علیک سلیک تھی۔

ویٹروں سے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ البتہ اسسٹنٹ منیجر کی ٹھکائی کے بعد یہ عقدہ کھلا تھا کہ اس نے ان تینوں کو برائے نام معاوضے پر ملازم رکھا تھا اور ان کی تنخواہ کا ایک معقول حصہ خود ہڑپ کر رہا تھا۔ اسی سبب اس نے زیادہ چھان بین نہیں کی تھی۔

ہوٹل سے مکمل ناکامی کے بعد دیپ راج کی توپوں کا رخ تاؤبٹ کی طرف ہو چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ہوٹل میں کامیاب کارروائی کے بعد مطلوب گروپ نے تاؤبٹ کا رخ کیا ہوگا اور ابھی تک وہیں پناہ لیے ہوئے ہوں گے۔

تاؤبٹ کا محاصرہ جاری تھا۔ گزشتہ رات جس طرح آزادی کے متوالوں نے پلٹ کر قابض افواج پر وار کیا تھا، جس میں درجن بھر سے زائد قابض فوجی جہنم واصل ہوئے تھے، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مطلوب گروپ کے علاوہ دیگر آزادی کے متوالے بھی اس علاقے میں موجود ہیں۔

تاؤبٹ میں مقامی مخبروں کو ریڈ الرٹ کیا جا چکا تھا اور مطلوب گروپ کے بارے میں مصدقہ اطلاع دینے والے کے لیے بھاری انعام کا اعلان ہو چکا تھا۔

دیپ راج کی ٹیم کا ایک حصہ خاص قسم کے پیپر ورک میں مصروف تھا۔ یہ لوگ تاؤبٹ کو چار زون میں تقسیم کرنے کا کام کر رہے تھے۔ ان کا ارادہ رکاوٹیں لگا کر ہر زون کو دوسرے زون سے کاٹ کر گھر گھر تلاشی کا تھا۔ اس مقصد کے لیے زیرِ زمین تہ خانوں کی نشان دہی کرنے والے جدید ترین اسرائیلی اسکینر جموں سے سرینگر پہنچ گئے تھے۔

پوری ٹاسک فورس کو مختلف ذمے داریاں سونپ کر کرنل دیپ راج اپنے چھوٹے سے آفس میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وہ اونچا، لمبا اور مضبوط کاٹھی کا مالک تھا۔ اس کا تعلق مہاراشٹر کے ایک انتہا پسند ہندو گھرانے سے تھا اور مسلم دشمنی اس کی گھٹی میں شامل تھی۔

فی الوقت اس کا دماغ گھڑ سواری کا میدان بنا ہوا تھا۔ مقامی آزادی کے متوالوں کی اسے زیادہ فکر نہیں تھی۔ ان سے اب تک بڑی کامیابی سے نمٹا جا رہا تھا اور یہ سلسلہ

آگے بھی جاری رہتا تھا مگر آزادی کی اس تحریک کو چند اسلحہ ساز کا مل جانا بے حد تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔

مقامی آزادی کی تحریک چھوٹے ہتھیاروں میں خودکفیل ہو جاتی تو بے پناہ جوش و خروش، قابض افواج سے انتہا درجے کی نفرت اور آزادی کی شدید خواہش...... یہ سب مل کر قابض افواج کا جینا دوبھر کر دیتے۔

قابض افواج کے بڑھتے تابوتوں کی تعداد دہلی سرکار کے لیے ایک نیا دردِ سر بن سکتی تھی۔ میڈیا ایک طوفان کھڑا کر دیتا۔

دوسری طرف ایلس ہیلو کی بازیابی بھی ایک بڑا چیلنج تھا۔ اس کے میڈیا گروپ کا بے حد دباؤ تھا۔ ابھی تک کسی گروپ نے اس کے اغوا کی ذمے داری قبول کی تھی اور نہ ہی اس کے حوالے سے کوئی مطالبہ سامنے آیا تھا۔

دیپ راج کو اپنی داخلی کمزوریوں کا احساس ہو رہا تھا۔ لائن آف کنٹرول پر بھی ان کا سارا دھیان تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں فوجی لائن آف کنٹرول پر مورچا زن تھے۔ اس کے علاوہ نگرانی کا حساس ترین اسرائیلی سسٹم بھی پوری طرح فعال تھا۔ درجنوں جاسوس ڈرون اور ہیلی کاپٹر چوبیس گھنٹے کنٹرول لائن کی نگرانی پر مامور تھے۔ پروپیگنڈے سے ہٹ کر بھارتی میڈیا اور جرنیل نجی محفلوں میں بڑے فخر سے یہ اعلان کرتے تھے کہ لائن آف کنٹرول کے دوسری طرف سے انسان تو کیا چڑیا کا بچہ بھی مقبوضہ کشمیر میں دراندازی نہیں کر سکتا۔

دیپ راج کو احساس ہو رہا تھا کہ ملک کے دیگر داخلی راستوں پر نگرانی کا نظام اتنا فعال نہیں تھا یقیناً اسلحہ ساز افغانی ایسے ہی کسی کمزور راستے سے داخل ہوئے تھے اور پورے ملک کو پاٹتے ہوئے مقبوضہ کشمیر میں آدھمکے تھے۔

دیپ راج نے سوچا۔ اس مسئلے کو قومی سلامتی کے کسی بڑے فورم پر اٹھائے گا مگر پھر خود ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ یہ مسئلہ کئی دفعہ زیرِ بحث آچکا تھا اور اس سلسلے میں اقدامات بھی اٹھائے گئے تھے مگر زمینی حقیقت یہ تھی کہ انڈیا کی سرحدیں بلاشبہ ہزاروں کلومیٹر طویل تھیں۔ دشوار گزار ریگستان، دلدلی جنگلات، اونچے پہاڑ اور تند سمندر۔ ان سب کی سو فیصد نگرانی تقریباً ناممکن تھی۔

دیپ راج اپنے مختصر سے آفس کے پتھریلے فرش کو قدموں سے کوٹ رہا تھا جب کیپٹن سندیپ اپنے سیاہ رو چہرے پر دبا دبا جوش لیے اندر داخل ہوا۔ سیلوٹ کے بعد اپنی دو صفحات پر مشتمل رپورٹ کی فائل میز پر رکھتے ہوئے وہ پُرجوش انداز میں بولا۔

''سر! جہلم میں گشت پر تعینات آرمڈ بوٹس کی یونٹ کی طرف سے یہ رپورٹ ہے۔ اس میں ایک کلیدی کلیو ہے جو ایلس ہیلو کے اغوا کاروں تک پہنچنے میں معاون ہو سکتا ہے۔''

دیپ راج نے اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے کیپٹن سندیپ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

سندیپ نے شکریہ ادا کر کے سیٹ سنبھال لی۔

دیپ راج نے میز پر پڑی فائل پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''یہ رپورٹ میں زبانی سنانا چاہوں گا۔'' سندیپ نے الفاظ کو ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے کہا۔ ''جس رات ایلس ہیلو کا اغوا ہوا! اسی دوپہر ایک کشمیری نوجوان بظاہر تفریح کی غرض سے ڈل جھیل میں سرینگر ہوٹل کے قریب پایا گیا تھا۔''

دیپ راج نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کشمیری اور ڈل میں تفریح۔''

سندیپ نے اس کی بات آگے بڑھائی۔ ''جی سر، اسی سبب ایک ''ہوم گارڈ'' نے اسے مشکوک جان کر اس کی رپورٹ کر دی۔''

دیپ راج نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔

سندیپ نے مزید کہا۔ ''آرمڈ بوٹ کے جوانوں نے اسے گھیر کر پوچھ گچھ کی تو اس نے مستند شناختی دستاویزات پیش کیں اور چرب زبانی سے غالباً جوانوں کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اپنا تعلق بھی ہند سرکار کی ایک وفادار فیملی سے بتایا۔ اس رپورٹ کو سامنے رکھ کر میں نے جو تحقیق کی ہے، اس کے مطابق اس وفادار فیملی میں جتنے بھی ''علی ڈار'' نام کے نوجوان ہیں سبھی اپنے گھروں میں پائے جا رہے ہیں۔ گزشتہ چند دنوں میں کسی نے بھی سرینگر کا سفر نہیں کیا۔''

دیپ راج کا چہرہ بگڑ سا گیا۔ اس نے آرمڈ بوٹس کے پورے یونٹ کو ایک شاہکار گالی سے نوازتے ہوئے کہا۔ ''ان کی بے پروائی سے آتنک وادی، ایلس ہیلو کو اغوا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ وہ یقینی طور پر تفریح کے بہانے ریکی کر رہا تھا۔'' پھر اس کا لہجہ تبدیل ہوا۔

''جن جن لوگوں نے اس نوجوان کو دیکھا ہے، سب کو اٹھا کر لے آؤ۔ اس کا کمپیوٹرائزڈ خاکہ بنواؤ، ضرور ہمارے ریکارڈ سے اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ نکل آئے گا۔''

سندیپ نے تن کر کہا۔ ”سر! میرے دماغ میں بھی یہی خیال آیا تھا۔ خاکہ بن رہا ہے اور جس شکارے پر وہ ہوٹل کے قریب گیا تھا اور جس اقامتی شکارے پر اس کا قیام تھا، ان کے مالکان سے ہیڈ کوارٹر میں پوچھ گچھ کا آغاز ہو چکا ہے۔ مجھے یقین ہے جلد ہی آپ کو سنانے کے لیے میرے پاس اچھی خبر ہوگی۔“

دیپ رواج نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔ ”ویل، مجھے پسند آئی تمہاری مستعدی۔“

سندیپ کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے شکریہ ادا کر کے جانے کی اجازت چاہی۔

☆☆☆

علی اپنے گروپ کے ساتھ سرینگر کے ایک نواحی دشوار گزار پہاڑی علاقے میں خیریت سے پہنچ چکا تھا۔ ایلس ہیلبر بھی اس کے ساتھ تھی۔

اس دفعہ ان کا مسکن پہاڑی ڈھلان پر چنار کے درختوں سے گھرا ہوا ایک باغ تھا۔ ڈھلان اور پہاڑی چوٹی سے باغ کی طرف آنے والے راستوں کی نگرانی بے حد آسان تھی۔ چھپنے کے لیے ایک پہاڑی کھوہ بھی تھی جسے دن رات کی مشقت سے وسعت دی گئی تھی۔

یہ ایک تاریک شب تھی۔ علی، پہاڑی کی چوٹی پر ایک چٹان سے پشت ٹکائے سینے پر ہاتھ باندھے سامنے دیکھ رہا تھا۔ سرینگر شہر کی روشنیاں یہاں سے صاف نظر آ رہی تھیں۔ علی کے سینے میں الاؤ سا جل رہا تھا جس کی تپش سے اس کی آنکھیں بھی سلگ رہی تھیں۔ وہ جانتا تھا ان ہی روشنیوں میں کہیں تاریکی کے جزیرے بھی تھے۔ جہاں آزادی کے متوالوں پر قیامت ڈھائی جا رہی تھی۔

آسمان پر دمکتے ستارے بھی جیسے اس جنت نظیر خطے اور اس کے باسیوں کی حالتِ زار پر افسردہ سے تھے۔ ایلس ہاتھ میں لکڑی کا کپ تھامے اس کے قریب چلی آئی۔ کپ سے بھاپ سی اٹھ رہی تھی۔ ایلس کو خاصا تیز زکام ہو گیا تھا۔ پہاڑی یونٹ کے میزبانوں میں سے ایک خاتون نے جڑی بوٹیوں کا قہوہ سا بنا کر ایلس کو دیا تھا۔ اس کی بھاپ لینے اور قدرے ٹھنڈا ہونے پر پی لینے سے ایلس کو خاصا افاقہ محسوس ہوا تھا۔ یہی سبب تھا جس کے باعث اس وقت بھی لکڑی کا بڑا سا کپ اس کے ہاتھ میں نظر آ رہا تھا۔

ان دونوں سے تھوڑے فاصلے پر ایک اور ہیولا بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ آیت تھی۔ ایلس کی تمام تر ذمے داری اسی کے سپرد تھی۔ ایلس کی پنڈلی سے چپکے بم سے منسلک گھڑی

سر! مجھے مبارکباد دیں.... آپ میرے پہلے مریض ہیں

بھی آیت کی کلائی پر تھی۔ دونوں لڑکیوں کے درمیان کشیدگی کے آثار ابھی تک باقی تھے۔ آیت اس سے سختی سے پیش آتی تھی اور ایلس اسے مکمل طور پر نظرانداز کرنے کی کامیاب کوشش میں لگی رہتی تھی۔

ایلس نے ایک گہری نظر علی پر ڈالی۔ ”کیا سوچ رہے ہو؟“

علی کی جذبات سے عاری آواز ابھری۔ ”ایک کشمیری کے پاس سوچنے کے لیے اب کچھ رہ ہی نہیں گیا۔“

”تمہاری کیفیت میں سمجھ سکتی ہوں۔“ ایلس کے لہجے میں ہمدردی در آئی۔ ”تم لوگ جسمانی اذیت کے ساتھ ساتھ نہ ختم ہونے والی ذہنی اذیت کے شکنجے میں بھی جکڑے ہوئے ہو۔ میرے لیے یہ کہنا آسان ہے کہ اس وادی کے باشندوں کی اکثریت ذہنی مریض بن چکی ہے۔“

علی کے لہجے میں تلخی آمیز طنز در آیا۔ ”لیکن تمہاری اب تک کی نشر ہونے والی رپورٹس تو اس کے برعکس تاثر دیتی رہی ہیں۔“

”طنز مت کرو۔“ ایلس جھنجلا گئی پھر ایک گہرا سانس لے کر اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ ”یاد ہے پہلی ملاقات میں تم نے کچھ کہا تھا؟“

علی کی سوالیہ نظریں ایلس کے چہرے پر جم گئیں۔

ایلس چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”میرے بارے میں تم نے خیال آرائی کی تھی کہ میں محض صحافی نہیں ہوں۔“

علی نے اثبات میں سر ہلایا۔

ایلس نے دھماکا کرنے کے انداز میں کہا۔ ”تمہارا اندازہ درست ہے۔“

علی نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔

ایلس نے مزید کہا۔ ”اور تمہاری یہ غلط فہمی بھی دور کر دوں کہ میرا میڈیا گروپ جو بظاہر ایک معتبر ادارہ اور

آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رپورٹنگ کرنے کا علم بردار نظر آتا ہے، ویسا ہرگز نہیں ہے۔ وہ بکاؤ مال ہے۔ تم لوگ سمجھ رہے ہو ہم نے اب تک جو رپورٹنگ کی ہے، وہ بھارتی اداروں کے مہیا کیے ہوئے مصنوعی ماحول میں کی ہے۔ تم لوگ بالکل غلط سمجھ رہے ہو۔ یہ سب کچھ پلاننگ کے تحت ہوا ہے۔ میرے میڈیا گروپ نے منہ مانگے معاوضے پر یہ خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے گروپ کی ذیلی لابنگ فرم بھی بھارتی حکومت کو اپنی خدمات دے رہی ہیں۔ جھوٹ کو اس طرح خوشنما لبادوں میں لپیٹ کر فیصلہ ساز ملکوں کے حکمرانوں اور عوام کو دکھایا جارہا ہے کہ کہیں بھی تم لوگوں کی شنوائی نہیں ہوگی۔ کہیں سے کوئی مضبوط آواز تمہارے حق میں نہیں اٹھے گی۔'' آخر میں ایلس کچھ جذباتی سی ہوگئی۔

علی کی آنکھیں اس کی گہرائی ناپ رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ برف تیزی سے پگھل رہی ہے۔ انسانیت سوز مظالم دیکھ کر ایلس کے وجود کی گہرائیوں میں سویا ہوا ''انسان'' بیدار ہورہا ہے۔

علی کا چہرہ بے تاثر ہوگیا۔ ''ہم دو فریق حالتِ جنگ میں ہیں۔ ہم اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں اور ہر ممکنہ ہتھکنڈا آزما رہے ہیں۔ ہمارا دشمن اپنا تسلط برقرار رکھنے کی مجنونانہ خواہش کے ساتھ ہم سے نبرد آزما ہے اور ہر مکروہ ہتھکنڈا آزما رہا ہے۔ ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت اور خواہش نہیں ہے۔ ہماری صرف ایک ہی خواہش ہے ہماری ''آواز'' آزاد دنیا تک پہنچے۔ ہمارا موقف دنیا تک پورے سیاق و سباق سے پہنچے۔ ہمیں دہشت گرد نہیں، حریت پسند کہا جائے اور ہمارے مقابل جو دنیا کی چوتھی بڑی طاقت ہے۔ اس کے دہشت ناک ہتھکنڈوں کی خبر دنیا تک پہنچے کہ مقامی آزادی کی تحریک کو کچلنے کے لیے وہ کسی ملکی و عالمی قانون، کسی ضابطے اور اخلاق کو خاطر میں نہیں لارہی۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا ''مکروہ چہرہ'' دنیا دیکھے۔ ہماری اس خواہش کو صرف اور صرف غیر جانبدار اور آزاد صحافت ہی پورا کرسکتی ہے۔ تمہارے ادارے کا لوگو چونکہ یہی ہے اسی سبب تمہیں اغوا کیا گیا اور تم یہاں پر ہو۔ تمہاری بات درست ہے کہ ہم لوگ یہی سمجھتے رہے کہ جس مصنوعی ماحول تک تمہیں رسائی دی جارہی ہے۔ تمہاری رپورٹنگ کی بنیاد وہی ہے۔ اب تم نے خود ہی بتادیا ہے کہ یہ صرف سنہری سکوں کا کھیل ہے۔''

ایلس کا سر ندامت کے احساس کے ساتھ جھک گیا۔

علی نے اس کے جھکے ہوئے سر پر نظر ڈالی اور مزید کہا۔ ''تمہارا اعتراف ظاہر کررہا ہے کہ تمہارے اندر انسانیت زندہ ہے۔ تم نے جو کچھ دیکھا ہے، غالباً اس نے تمہاری کایا پلٹ دی ہے اور ہماری یہ خواہش کہ ہماری آواز اور حالات و واقعات دنیا تک غیر جانبداری سے پہنچیں...... اس کی گہرائی میں جاؤ گی تو تمہیں اس خواہش کی ''وجہ'' کا اندازہ ہوگا۔ سچ لوگوں کے ضمیر کو جھنجوڑے گا پھر ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہمارے لیے آواز بلند کرنے والے کروڑوں عام لوگ ہوں گے پھر غلامی کی آہنی زنجیروں کو ٹوٹنے میں دیر نہیں لگے گی۔''

ایلس نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں بھیگی بھیگی سی تھیں۔ وہ بڑے جذب سے بولی۔ ''میں تم لوگوں کی آواز دنیا تک پہنچاؤں گی۔''

علی بولا۔ ''اگر تم صدقِ دل سے کہہ رہی ہو تو کشمیر کا بچہ بچہ تمہارا احسان مند رہے گا۔''

''اس کے علاوہ میں تمہاری جو مدد کرسکتی ہوں، تم سوچ بھی نہیں سکتے۔'' ایلس کی آواز لرز اٹھی تھی۔

''مم...... میں سمجھا نہیں۔'' علی حقیقتاً بوکھلا سا گیا۔

ایلس بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔ ''مسٹر حریت پسند! تم پھر بھول رہے ہو کہ تم نے میرے محض صحافی ہونے پر سوال اٹھایا تھا اور میں نے اس سے انکار نہیں کیا تھا۔''

علی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ کانٹے سر میں بھونچال سا مچا تھا۔ صرف اتنا اندازہ ہورہا تھا کہ وہ کسی انکشاف کے دہانے پر کھڑی ہے۔

ایلس نے ڈرامائی انداز میں انکشاف کیا۔ ''صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ میں سی آئی اے کی فعال رکن بھی ہوں اور سی آئی اے کی جانب سے کشمیر میں ایک مشن پر بھی ہوں۔''

علی کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ وہ سیدھا ہوگیا۔ سنسنی کی ایک بلند لہر نے اسے سر سے پاؤں تک بھگو دیا تھا۔

دوسری طرف ان کی طویل ہوتی گفتگو نے آیت کو بے آرام سا کردیا تھا۔ وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی اور تاریکی میں علی کے چہرے پر بار بار کچھ پڑھنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔

علی کی کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ایلس نے خوش ذائقہ قہوے کی چسکی لی۔ دونوں کے درمیان سنسنی خیز خاموشی در آئی۔

علی کو اپنی کیفیت پر قابو پانے میں چند لمحے لگے اور

پھر اس نے ایک نئے زاویے سے وار کیا۔ ”خود کو سی آئی اے کی ایجنٹ بتا کر تم بعد میں ”را“ کی ایجنٹ نکل آئیں تو؟“ علی کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

ایلس کے اندر جیسے کچھ بجھ سا گیا۔ اس نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تمہیں یقین نہیں آیا؟“

علی کو لگا وار غلط پڑ گیا ہے۔ اس نے بات سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”اس بات کو چھوڑو، اپنے ”مشن“ کے متعلق بتاؤ۔“

ایلس کے چہرے پر نظر آنے والی بشاشت غائب ہو گئی تھی۔ وہ جیسے بڑی تیزی سے اپنے خول میں سمٹ سی گئی۔ ”کوئی مشن وغیرہ نہیں ہے۔“ اس نے بڑی بیگانگی سے کہا۔ ”بکواس کی تھی میں نے۔“ وہ تیزی سے واپسی کے لیے مڑ گئی۔

آیت نے اسے پلٹتا دیکھا تو تیزی سے اس کے ہمرکاب ہو گئی۔ ایلس کا رخ پتھروں سے بنے اپنے لیے مخصوص کمرے کی طرف تھا۔ آیت بے شک اس کا سایہ بنی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ایلس کی چھٹی حس اسے احساس دلاتی تھی کہ کچھ اور نادیدہ نظریں بھی اسے اپنے سامنے رکھتی ہیں مگر اس کی محدود نقل و حرکت پر کوئی قدغن نہیں لگائی گئی تھی۔ اس کا سبب یقیناً اس کی پنڈلی سے چپکا لعل بوائے تھا۔

اس پل ایلس کی کیفیت شعلہ جوالہ کی سی تھی۔ چند لمحے پہلے اپنے سے لگنے والے یہ آزادی کے متوالے کوسوں دور کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ساری ہمدردی ہوا ہو گئی تھی۔ علی کی بے یقین نگاہیں —— بے اعتبار لہجہ بڑی تکلیف دے رہے تھے۔

چلتے چلتے ہی ایلس نے یہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ آزادی کے متوالوں کا نگرانی کا انتظام خاصا سخت ہے۔ علی، رضا اور حمدان کے علاوہ بھی نصف درجن کے قریب نوجوان آس پاس ہی ہیں مگر جذباتی کیفیت میں اس نے رسک لینے کا فیصلہ کر لیا۔

چنار کے اونچے درختوں کے سائے میں سے گزرتے ہوئے آیت بولی۔ ”علی کے ساتھ اتنی دیر کیا راز و نیاز ہوتے رہے ہیں؟“ اس کا انداز معنی خیز تھا۔

ایک، دو دفعہ ایلس نے محسوس کیا تھا کہ یہ لڑکی، علی میں دلچسپی لیتی ہے۔ تاریک رات میں یہ اندازہ درست ثابت ہو رہا تھا۔ وہ بولی۔ ”بے فکر رہو، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں کہ علی کو تم سے چھین لیا جائے۔“ یہ کہہ کر وہ یک دم ہی جھک گئی۔ اس کے ہم قدم آیت اپنی جھونک میں آگے نکل گئی۔

جھکے جھکے ایلس دوڑی اور تیزی سے پلٹتی آیت کو لے کر پتھریلی زمین پر گری۔ گرنے کے سبب آیت کی کمر اور سر پر زور کی چوٹ لگی۔ آنکھوں کے آگے ستارے سے ناچ گئے۔

ایک غصیلی غراہٹ کے ساتھ ایلس اس کے سینے پر سوار ہو بیٹھی۔ ”کتیا!“ ایلس غرائی اور ایک کہنی موڑ کر آیت کی گردن پر رکھتے ہوئے اس بازو کو اپنی گرفت میں لے لیا جس پر لعل بوائے سے منسلک گھڑی بندھی تھی۔ گھڑی ہاتھ میں آتے ہی ایلس ہلاکت خیز لعل بوائے کی نادیدہ زنجیر کو اپنی مرضی کے تابع کر سکتی تھی۔

آیت نے بازو چھڑانے کے لیے زور مارا مگر گردن پر پڑنے والے شدید دباؤ نے جیسے اس کی جسمانی طاقت سلب کر لی تھی۔ اسے سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ دوسرے حربے کے طور پر اس نے ٹانگوں کو ہوا میں قوس کے مانند گھما کر خود کو پلٹنا چاہا مگر ایلس کے عیارانہ داؤ کے سبب یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ گردن پر پڑنے والا دباؤ اسے اندھیروں کی طرف دھکیل رہا تھا۔

ایلس نے وحشیانہ طاقت صرف کی اور آیت کے گھڑی والے بازو کو کھینچ کر اپنے دوسرے ہاتھ کے قریب لے آئی جس کی کلائی آیت کی گردن پر دباؤ بنائے ہوئے تھی۔

ایلس کے ہاتھ مجنونانہ انداز میں گھڑی سے الجھے۔ اسی وقت ایک چٹان کے اوپر سے ایک سایہ سا جھپٹا۔ ہوا میں تیرتے ہوئے اس سائے کے بازو ایلس کی کمر سے لپٹے اور اگلے ہی پل اس سائے نے ایلس کو آیت کے اوپر سے کسی عقاب کے مانند اچک لیا۔ ٹائمنگ اور مہارت کا یہ جادوئی لمحہ دیکھنے والے کو مبہوت کر دیتا۔ سانس کی آمد و رفت بحال ہوتے ہی آیت کو کھانسی کا دورہ سا پڑا تھا۔ اس کی کلائی سے گھڑی غائب تھی۔ چٹان کے اوپر سے جھپٹنے والا علی تھا۔ وہ اور ایلس ایک، دو لڑھکنیاں کھا کر رک گئے تھے۔ اس دوران ایلس کی کہنیوں کی متعدد ضربیں علی کو سہنی پڑی تھیں۔

علی نے گھما کر ایلس کو رانوں کے نیچے دبایا اور گھڑی والی کلائی جکڑ لی۔ ایلس نے قینچی کی طرح ٹانگیں چلا کر اس کی گردن ٹانگوں میں جکڑنا چاہی مگر علی نے آگے کی طرف جھک کر بیدار بچایا اور ایلس کے ہاتھ سے گھڑی چھڑا لی۔

ایلس جنگلی بلی کے مانند غرا کر اس پر جھپٹی مگر طرح دے کر علی دور جا کھڑا ہوا۔ "فرار ہونے کی یہ اچھی کوشش کہی جاسکتی ہے۔"

ایلس کی توجہ علی کی طرف تھی۔ آیت نفرت سے سرخ چہرے کے ساتھ اس پر جھپٹی تھی۔ اس دوران قریب ہی نگرانی پر تعینات پہاڑی یونٹ کے دو لڑکے موقع پر پہنچ گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پرانی ساخت کی رائفلیں تھیں۔ دونوں لڑکیوں کو جنگلی بلیوں کے مانند لڑتا دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ اس لڑائی میں واضح طور پر ایلس کا پلڑا بھاری تھا۔

علی کے اشارے پر دونوں لڑکوں نے بمشکل انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کیا۔ دونوں ہی جنونی کیفیت میں نظر آرہی تھیں۔

ایلس کو بمشکل پتھریلے کمرے میں بند کیا گیا۔

علی نے رضا کو بلا کر ایلس کی نگرانی اور قفل یوائے سے منسلک گھڑی اس کے سپرد کردی۔ آیت کو جب کچن کی ذمے داریوں میں حصہ دیا گیا تو وہ آنسو بہاتی ہوئی وہاں سے رخصت ہوگئی۔

ان معاملات سے نمٹ کر علی نے کنکریوں سے اٹے ایک دشوار گزار راستے پر قدم بڑھا دیے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک مسطح حصے تک پہنچ گیا۔ یہ پتھروں سے بنی قبروں والا چھوٹا سا قبرستان تھا۔ یہاں ہوا پہاڑی سے ٹکرا کر نیچے گرتی تھی اور فراٹے بھرتی ہوئی وادی کی طرف نکل جاتی تھی۔

ایک چٹان کی اوٹ میں کسی سادھو، فقیر کی کٹیا نظر آرہی تھی۔ اندر دیا جل رہا تھا جس کا انعکاس دور سے نظر آرہا تھا۔

علی نے جوتے اتارے اور ٹاٹ کا بوسیدہ سا پردہ ہٹا کر کٹیا میں داخل ہوگیا۔ کٹیا کے فرش پر دوہری تہ والی صاف، ستھری کشمیری دری بچھی ہوئی تھی۔ ایک کونے میں گاؤ تکیے کے سہارے ایک دبلے پتلے سفید ریش بزرگ نیم دراز تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور انگلیاں ہاتھ میں پکڑی تسبیح پر رواں تھیں۔ دیے کی لرزتی روشنی نے ماحول کو پُراسرار سا بنا دیا تھا۔

علی دو زانو ہو کر ادب سے ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے ایک روحانی ہستی تھی۔ جنہیں دنیا میر علی شاہ کے نام سے جانتی تھی۔ بہت کم لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ میر علی شاہ نہ صرف اس پہاڑی یونٹ کے سربراہ تھے بلکہ آزادی کی تحریک کے بانیوں میں سے بھی تھے۔

میر شاہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ "کیسے ہو علی بیٹا!" ان کی گمبھیر آواز کٹیا کی محدود فضا میں گونجی۔

"خدا کا شکر ہے۔" پھر علی کی آواز میں اضطراب در آیا۔ "جہلم تک کی کیا خبریں ہیں؟"

میر شاہ کی آنکھیں دوبارہ بند ہوگئیں اور ٹھوڑی سینے پر جا لگی۔

علی کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوگئیں۔

لمحے بعد میر شاہ بولے۔ "آزادی کی خاطر اور آزادی کے متوالوں کو محفوظ رکھنے کی خاطر حاجی شاہ، رحمان نابینائی، نصرت بی بی اور ایک نوجوان نے درندوں کے ہاتھ آنے سے پہلے اپنی جان خدا کے حوالے کردی ہیں۔ ان کی قربانی نے بہت سے آزادی کے متوالوں کو درندوں کی گرفت سے دور کر دیا ہے۔ خدا ان کے عمل کو قبول کرے اور اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے۔" ان کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے۔

علی کی آنکھوں میں دھواں سا بھر گیا اور سینے میں انگارے سے دہک اٹھے۔ اس نے بھی ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے۔ سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں چار اور قبروں کا اضافہ ہو گیا تھا۔

دعا کے بعد ان کے درمیان گمبھیر خاموشی کا وقفہ آ گیا پھر اس خاموشی کو میر شاہ نے توڑا۔ "تمہاری روانگی کے انتظامات مکمل ہیں۔ ایک قافلہ صبح نکلے گا۔ ایک دو دن کے بعد کیا پروگرام ہے تمہارا؟"

علی نے فوراً فیصلہ کیا۔ "صبح ہی نکل جاتا ہوں۔"

میر شاہ نے اثبات میں سر ہلایا تو علی نے اجازت چاہی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ میر شاہ نے قدرے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارے خاص مہمانوں کا کیا حال ہے؟"

"بالکل خیریت سے اور محفوظ ہیں۔" علی نے ایک محتاط سوال کا محتاط ترین جواب دیا۔

میر شاہ اس جواب سے مطمئن ہوگئے۔

تھوڑی دیر بعد علی سلگتے سینے اور جلتی آنکھوں کے ساتھ ایلس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس تبدیلی کو ایلس نے فوراً بھانپ لیا تھا۔ وہ بولی۔ "کیا ہوا ہے؟ تمہیں دیکھ کر مجھے خوف سا محسوس ہو رہا ہے۔"

"تمہارے لیے ایک اطلاع ہے۔"

ایلس نے چونک کر سوالیہ نظریں اس پر جما دیں۔

"تحریک آزادی جموں و کشمیر سے تمہارے میڈیا گروپ سے مطالبہ کرنے جا رہی ہے کہ تمہاری رہائی کے

بدلے تمہاری "نئی رپورٹ" دنیا کے سامنے پیش کرنے اور مجھے وہ رپورٹ دو گھنٹوں میں چاہیے۔"

علی کے لہجے میں جو کچھ تھا، اس نے ایلس کو لرزا دیا مگر وہ مضبوط اعصاب کی لڑکی تھی۔ اس نے لرزش پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اور اگر چینل نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو پھر تمہارا ردِعمل کیا ہوگا؟" دل کی دھڑکنیں بمشکل سنبھالتے ہوئے لیمپ کی مدھم روشنی میں اس نے علی کے تاثرات دیکھنے کی غرض سے اس کے چہرے پر نظریں جمائیں جہاں صرف آگ کی تپش ہی محسوس ہو رہی تھی۔

علی نے اس کی طرف پیٹھ کر لی۔ "اس بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔"

ایلس طنزیہ انداز میں ہنسی۔ "فیصلہ نہیں ہوا یا تم بتانا نہیں چاہتے کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا۔"

علی کا لہجہ گرم ہوا۔ "قیاس آرائیاں مت کرو۔ تحریک نہتے، عورتوں اور بچوں پر تشدد کی سخت مخالف ہے۔" پھر اس کے لہجے نے وہ رنگ پکڑا جو پتھروں کو بھی پگھلانے کی طاقت رکھتا تھا۔ "تحریک کے ایک ادنیٰ کارکن کا تم سے وعدہ ہے۔ اپنی سی کوشش کے بعد کچھ حاصل نہ ہوا تو تمہیں بحفاظت واپس پہنچا دیا جائے گا۔"

سچائی سے معمور ان الفاظ نے اپنا اثر دکھایا۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ "مجھے یقین ہے۔ تمہارا وعدہ سچا ہے۔"

علی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ہاتھ جو گرم جوشی سے بھرا ہوا تھا۔

ایلس نے کہا۔ "رپورٹ تیار کرنے کے لیے مجھے لیپ ٹاپ چاہیے۔"

علی بولا۔ "مل جائے گا مگر ہر مواصلاتی رابطے سے کٹا ہوا۔"

"چلے گا۔" ایلس نے بڑی ادا سے کہا۔

علی واپسی کے لیے مڑا تو ایلس بولی۔ "تمہاری بدلی ہوئی کیفیت کا سبب پوچھ سکتی ہوں؟ ایسا لگتا ہے تم بے حد طیش میں ہو اور بمشکل اپنی کیفیت پر قابو پائے ہو؟" ایلس کی نظریں اس پر جم سی گئیں۔

"تحریک کے کچھ جاں نثاروں نے دشمن کے ہاتھ آنے سے پہلے اپنی جان دے کر ہم تک پہنچنے کا راستہ بند کر دیا ہے۔ ان کی شہادت کا بوجھ ہے۔ جسے تم نے محسوس کیا ہے۔"

ایلس کا سر جھک گیا۔ "افسوس ہوا یہ جان کر۔" اس نے افسردہ سے انداز میں کہا۔

"افسوس کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے شہدا کا سوگ نہیں مناتے۔" آنکھوں کی جلن چھپانے کے لیے علی نے منہ پھیرا اور واپسی کے لیے قدم بڑھائے۔

"میری بات سنو۔" ایلس کی مضطرب آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

ایلس گھوم کر اس کے سامنے آ گئی اور اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیے۔ اس کے چہرے پر دبا دبا سا جوش تھا۔

"میں مدد کر سکتی ہوں تمہاری۔"

"کر تو رہی ہو۔" علی نے نرمی سے اس کے ہاتھ کندھوں سے ہٹائے۔

ایلس نے جھنجلا کر ہاتھ جھٹکے۔ "بے وقوف لڑکے، مدد سے بہت زیادہ مدد۔"

علی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

ایلس نے قدرے مدھم آواز میں کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ میں سی آئی کی طرف سے بھی ایک مشن پر ہوں اور تم نے اس بات کو مذاق میں اڑا دیا تھا۔"

علی کو جھٹکا سا لگا۔ یہ اہم ترین بات تو وہ یکسر ہی نظر انداز کر بیٹھا تھا، وہ بولا۔ "اگر تمہارا یہ دعویٰ درست بھی ہے تو ہماری مدد کا اس میں کون سا پہلو نکلتا ہے؟"

"بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" ایلس دوبارہ سے پرجوش ہو گئی۔

وہ آمنے سامنے بیٹھ چکے تو ایلس نے کھوجتے کے انداز میں پوچھا۔ "تمہاری تحریک کا منشور کیا ہے؟"

"میں سمجھا نہیں۔" علی اس سوال سے الجھ سا گیا۔

ایلس نے اپنے خیالات کو مجتمع کرتے ہوئے کہا۔ "میرا مطلب ہے کہ اگر تمہیں انڈیا سے آزادی مل جائے تو تمہاری تحریک کا منشور کیا ہے؟ خود مختار کشمیر یا تم پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے ہو؟"

آزادی کے سہانے خواب نے علی کی آنکھیں لمحے بھر میں پُرنم کر دیں۔ وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولا۔ "ظاہر ہے ہم پاکستان کے ساتھ الحاق کے خواہش مند ہیں۔ ہمارا ایک حصہ پہلے ہی تو پاکستان کے ساتھ ہے۔ ہمارا مذہبی، ثقافتی، جغرافیائی..... ہر رشتہ پاکستان کے ساتھ ہے۔"

ایلس کا چہرہ بجھ سا گیا۔ اس کیفیت کو فوراً ہی علی نے بھانپ لیا وہ بولا۔ "ہم مظلوموں کی مدد کی ٹھان لی ہے تو کھل جاؤ۔ جو دل میں ہے زبان پر لے آؤ۔"

اس کے دل گرفتہ لہجے نے ایلس کے دل کی آخری گانٹھ بھی کھول دی۔ وہ گہرا سانس لے کر دھیمے سے مسکرائی اور بولی۔ ”سی آئی اے کی تمام تر دلچسپی خودمختار کشمیر میں ہے۔ چائنا کے سر پر بیٹھنے کے لیے انڈیا جیسے دومنہ والے سانپ کو پالنے کے بجائے امریکا، خودمختار ریاست جموں و کشمیر میں ڈیرا ڈالنا چاہتا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے اس کی نظریں علی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ”کیوں، چونک گئے نا؟“

علی نے نفی میں سر ہلایا۔ ”امریکا کی یہ خواہش کوئی اتنی ڈھکی چھپی بھی نہیں ہے۔ انڈیا چونکہ اس کا فطری حلیف ہے اس لیے وہ اس خواہش کو دبائے ہوئے ہے۔“

ایلس نے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ ”اس خواہش نے پھر شدت سے سر اٹھایا ہے۔ سی آئی اے میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی سربراہی میں ایک بے حد خفیہ ڈیسک قائم ہو چکا ہے اور وہ فعال بھی ہو چکا ہے اور اب دل تھام کر سنو۔“ ایلس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ ”میرا تعلق اسی ڈیسک سے ہے اور مجھے ایسے کسی طاقتور گروپ سے رابطے کا ٹاسک دیا گیا ہے جو خودمختار کشمیر کا حامی ہو۔“ اب کی بار علی نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے کی چمک اور لہجے کی مضبوطی بتا رہی تھی کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔

ایلس نے مزید کہا۔ ”تمہاری تحریک کا جو بھی ایجنڈا یا منشور ہے۔ میں اس پر بحث نہیں کروں گی صرف ایک مشورہ دوں گی کہ فی الحال امریکیوں کو استعمال کر لو۔ ڈھیروں ڈھیر فنڈنگ تمہارے بہت سے مسائل حل کر دے گی۔“

یہ وہ تیر تھا جو سیدھا جا کر علی کے دل پر لگا۔ اس نے نیم رضامندی سے کہا۔ ”تمہارا مشورہ بہت اچھا ہے۔ میں اپنے بڑوں سے بات کروں گا۔“

ایلس نے اس کا کندھا تھپکا۔ ”میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔“

علی، ایلس کے کمرے سے نکلا تو شدید کشمکش کا شکار تھا۔ موجودہ مشن کچھ دیر کے لیے اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا۔

امریکیوں کو وہ اچھی طرح سے سمجھتا تھا۔ وہ بے حد کائیاں تھے۔ انہیں استعمال کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ لازمی طور پر چاہیں گے کہ تحریک عوامی سطح پر خودمختار کشمیر کا نعرہ لگائے اور اپنے منشور میں تبدیلی کرے۔ ایسا کرتے ہی تحریک عوامی مقبولیت کھو دیتی اور یہ بہت بڑا نقصان تھا۔ علی نے سر جھٹک کر اپنی توجہ موجودہ مشن کی طرف مرکوز کی۔ اس معاملے کو بعد میں دیکھا جا سکتا تھا۔

صبح سویرے علی ہندو یاتری کے روپ میں کمبل لپیٹے ایک کھٹارا بس کی چھت پر سوار تھا۔ امرناتھ یاترا سے واپس جانے والے یاتریوں سے بس اوپر، نیچے تک لدی ہوئی تھی۔

☆☆☆

کرنل دیپ راج اور کیپٹن سندیپ کی محنت رنگ لائی تھی۔ علی کی شناخت ہو گئی تھی۔ اس کی شناخت ہوتے ہی سرینگر سے نئی دہلی تک کھلبلی مچ گئی تھی۔

اس کا اصلی نام علی ڈار ہی تھا۔ وہ سرینگر یونیورسٹی کا ہونہار طالب علم اور ہر کشمیری کی طرح سے کشمیر کی آزادی کا حامی تھا۔

ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے وہ پیرا ملٹری والوں کے ہاتھ چڑھ گیا تھا۔ تین دن کے بدترین تشدد کے بعد جب یقین ہو گیا کہ اس کے اندر سے ساری ”آزادی کی خواہش“ کشید کر لی گئی ہے تو اسے رہا کر دیا گیا۔

اس کے بعد وہ منظر سے غائب ہو گیا۔ اب تین سال سے زائد عرصے کے بعد وہ دوبارہ کشمیر میں دیکھا گیا تھا۔ ہاں، ان تین سالوں میں اس نے پورے بھارتی پنجاب میں سیکیورٹی فورسز کو اپنی بھرپور موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

قوی شبہ کیا جاتا تھا کہ اس کی پشت پر خالصتان کی تحریک ہے۔ سیکیورٹی کے نام نہاد ادارے مسلسل اس کے تعاقب میں تھے۔ پھر اچانک وہ پنجاب سے بھی غائب ہو گیا۔ دوبارہ اسے افغانستان میں دیکھا گیا تھا۔ پاکستان کے خلاف ایک دہشت گردی کی تربیت دینے والے کیمپ کو اس نے تہس نہس کر دیا تھا۔ اس موقع پر ایک سیکیورٹی کیمرے میں اس کی چند سیکنڈ کی فوٹیج ریکارڈ ہو گئی تھی جو اس کی شناخت کا باعث بنی تھی۔

اور اب ہند سرکار کی زبان میں اس خطرناک اور مطلوب ترین آتنک وادی کو پھر سے کشمیر میں نہ صرف دیکھا گیا تھا بلکہ قوی ترین امکان تھا کہ ایلس میلو کے اغوا میں بھی اسی کا ہاتھ ہے اور افغان اسلحہ سازوں کو کامیابی سے کشمیر لانے کا سہرا بھی اسی کے سر ہے۔

علی کی فوٹیج تیزی سے پھیل رہی تھی۔ جموں و کشمیر کے داخلی اور خارجی راستوں پر خصوصی توجہ دی جا رہی تھی۔ مقامی جاسوسوں کو بھاری انعام کے لالچ کے ساتھ علی کی مخبری کا ٹاسک سونپا جا رہا تھا۔

دوسری طرف قسمت نے پورا ساتھ دیا۔ علی، گرفت مضبوط ہونے سے پہلے جموں و کشمیر کی حدود سے نکلنے میں کامیاب رہا تھا۔ دو جگہوں پر اسے چیکنگ کے کڑے مراحل سے گزرنا پڑا تھا مگر وہ اور چاروں افغان مہمان ہندو یاتریوں کے روپ میں ہی کشمیر میں داخل ہوئے تھے اور علی مقررہ وقت پر ہی واپس جارہا تھا۔

☆☆☆

گرداسپور پہنچ کر علی نے حلیہ دوبارہ تبدیل کرلیا تھا۔ اب وہ ایک نوجوان سکھ کے حلیے میں تھا۔ گہما گہمی سے بھرپور گرداسپور کے ریلوے اسٹیشن پر وہ ایک پتھر کی سلیب پر بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔ دہلی کے لیے نکلنے والی پسنجر ٹرین کی روانگی میں ابھی خاصا وقت تھا۔

تھوڑی دیر پہلے ایک ادھیڑ عمر قلی نے اس سے ٹائم پوچھا تھا اور نظر بھر کے اسے دیکھا تھا۔ اس کے بعد سے علی کا دل بے کل سا ہو رہا تھا۔ چھٹی حس خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔ علی نے بے چین ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ چور نظروں سے اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ بظاہر سب نارمل تھا۔ رات گہری ہو چلی تھی۔ پورا اسٹیشن روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ مسافروں کی بھاگم بھاگ، قلیوں کی دوڑیں۔ ابھی ابھی ایک ٹرین نے اسٹیشن چھوڑا تھا۔ اس کے انجن کا شور، فولادی پہیوں کی گڑگڑاہٹ اور پلیٹ فارم کی لرزش۔

چھٹی حس کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی۔ چھپا ہوا خطرہ اچانک ہی سامنے آ گیا۔ علی کے پاس سے گزرنے والا ایک بھاری بھرکم سکھ لڑکھڑا کر گرنے لگا تو غیرارادی طور پر علی نے اسے سنبھال لیا۔ ”دیکھ کر سردار جی! کیا ہوا؟“

جواب میں بھاری بھرکم سردار جی..... جونک کے مانند اس سے چپک گئے۔ خطرے کے احساس کے ساتھ ہی علی کے جسم میں بجلی سی بھر گئی تھی۔ اس کے سر کی زوردار ٹکر جونک بننے والے سردار کی ناک پر لگی۔ بھاری بھرکم گالی کے ساتھ سردار جی کی گرفت کمزور پڑ گئی۔ جگہ بنتے ہی علی نے کندھے کی ضرب سے سردار جی کو دور اچھال دیا۔

اسی وقت قریب پہنچ جانے والے سیکیورٹی اہلکار جو سادہ لباس میں ملبوس تھے، وہ علی پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی تعداد چھ تھی۔ وہ بھڑوں کے مانند علی سے چمٹ گئے تھے۔ علی کے بازو عقب سے ایک حیوانی طاقت کے حامل اہلکار کے شکنجے میں آ گئے تھے اور وہ اہلکار اپنی حیوانی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے علی کو اٹھا کر پٹخنے کی کوشش میں تھا۔ دیگر اہلکار قدرے پیچھے ہٹ گئے تھے۔

ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم کے ایک کونے میں ہنگامہ سا برپا ہو گیا تھا۔ حیرت زدہ مسافر تیزی سے ایک طرف سمٹ گئے تھے۔

علی کے ہاتھوں ضرب کھانے والے سردار جی...... زمین بوس تھے اور اب اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اور دہن سے گالیوں کا فوارہ چلاتے اپنے لباس میں ہاتھ ڈالے غالباً کوئی ہتھیار نکالنے کی کوشش میں تھے۔ حیوانی طاقت والے اہلکار نے زور لگا کر علی کے پاؤں زمین سے اٹھا لیے۔ اس کی ہانپتی ہوئی فاتحانہ سرگوشی علی کے کان کے قریب سنائی دی۔ ”سب کرا کڑ سنگھ! تیری کہانی ختم۔“

علی نے کہا۔ ”اتنی جلدی نہیں۔“ ساتھ ہی اس نے سر گھمایا۔ ہلکی سی ٹکر پیچھے والے اہلکار کے رخسار پر لگی۔ اس نے جوش سے جے بجرنگ کا نعرہ لگایا اور علی کو گھما کر پلیٹ فارم پر پٹخ دیا۔

کوئی اناڑی ہوتا تو اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ علی پہلے سے تیار تھا۔ اس نے وجود کو سمیٹتے ہوئے کندھا جھکا لیا۔ ضرب کی شدت سے اس کا کندھا جھنجھنا اٹھا۔ درد کی تیز لہر پہلو میں اٹھی تھی مگر وہ ایک پل کے لیے آزاد تھا۔

پل بھر میں اس نے مکمل جائزہ لے لیا تھا۔ سردار جی اٹھ گئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں چھوٹے کیلیبر کا پسٹل نظر آ رہا تھا۔ جسے وہ ہولتوں کے مانند ادھر اُدھر گھمارہے تھے۔ اپنے ایک ساتھی اہلکار کی واضح برتری دیکھ کر دیگر اہلکار اپنی جگہ رک گئے تھے۔ اسے پٹخنے والا اہلکار بڑے اعتماد سے اس پر جھپٹا۔ پلیٹ فارم پر پڑے علی کی ٹانگیں ہوا میں برق کی طرح لہرائیں۔ قوس سی بنی اور زد میں آئے حملہ آور کی ٹانگوں سے جا ٹکرائی۔ وہ ”اوغ“ کی آواز کے ساتھ بے توازن ہو کر منہ کے بل پلیٹ فارم پر گرا۔ اگلے ہی پل علی نے جست بھری اور نیچے ریلوے لائنوں پر کود گیا۔ اس کی پھرتی اور مہارت نے جیسے ہر چیز کو ایک لمحے کے لیے مبہوت کر دیا تھا۔

دیگر اہلکار جیسے اچانک ہی ہوش میں آئے اور بھاگو، پکڑو کا شور مچاتے پلیٹ فارم سے نیچے کودے۔ اس وقت تک علی سبقت لے جا چکا تھا۔ خطرہ صرف عقب سے آنے والی گولی سے تھا۔ سب سے پہلے ہتھیار نکالنے والے سردار جی نے بدحواسی میں ہوائی فائر جھونک دیا۔ گولی چلتے ہی ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔

پتھروں پر تیزی سے زگ زیگ دوڑتے ہوئے علی نے چھلانگ لگائی اور دوسری لائن پر کھڑی پسنجر ٹرین کے

ڈبے کے پائدان تک پہنچ گیا۔ اسی وقت عقب سے فائر ہوا اور علی کے قدموں میں پھلجھڑی سی چھوٹ گئی۔

ڈبے کے دروازے میں کھڑا ہونق سا نوجوان گولی کی آواز کے ساتھ ہی بدحواس ہوگیا اور پلٹ کر بھاگا۔ علی کے لیے راستہ صاف تھا۔ اگلے ہی پل وہ ٹرین کے اندر تھا۔ بدحواس مسافروں کو دھکیلتا دوسرے دروازے سے اس نے پلیٹ فارم پر چھلانگ لگادی۔ اس کے اور سیکیورٹی اہلکاروں کے درمیان ایک ٹرین حائل تھی۔ اس نے علی کے اعتماد کو دوچند کردیا تھا۔ اس کے قدموں میں جیسے بجلیاں بھر گئی تھیں۔ ایک لمبے تڑنگے لڑکے نے دیکا مار کر اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر یہ کوشش اسے مہنگی پڑی۔ اپنی طرف بڑھتے اس کے بازو کو ہوا ہی میں تھام کر علی نے زوردار جھٹکا دیا۔ اپنے مومینٹم میں جیسے اڑتا ہوا وہ نوجوان کھڑی ٹرین سے جا ٹکرایا۔ اس کا انجام دیکھنے کا علی کے پاس ٹائم نہیں تھا۔

پلیٹ فارم کے دوسری طرف جیسے پٹڑیوں کا جال سا بچھا تھا۔ ہر طرف ناکارہ پسنجر اور مال گاڑیوں کے ڈبے نظر آرہے تھے۔ علی کو یقین تھا کہ وہ ان ڈبوں تک پہنچ گیا تو اہلکار اس کی گرد کو بھی نہیں پاسکیں گے۔ اس نے طویل جست بھری۔ عقب سے اس دفعہ متعدد گولیاں چلیں جو سیٹی سی بجاتے ہوئے اس کے سر پر سے گزر گئیں۔

اس کے قدموں نے ٹرین کی فولادی پٹڑی کو چھوا اور وہ دوبارہ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ جینز کے ساتھ جوگرز اسے بھاگنے میں مدد دے رہے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ مصنوعی داڑھی اور مونچھیں مارا ماری میں اپنی جگہ چھوڑ چکی ہیں۔ اس نے دوڑتے دوڑتے داڑھی، مونچھ کے ساتھ پگڑی بھی اتار پھینکی۔

دوڑتے دوڑتے اس نے یکلخت رخ تبدیل کیا اور لائن کے ساتھ بنے متروک لائٹ ہاؤس کو اپنی پشت پر لے لیا۔ اس دفعہ آنے والی گولیوں نے لائٹ ہاؤس کی قدیم اینٹوں کو ادھیڑ دیا۔

اگلے ہی پل علی ڈبوں کی بھول بھلیوں میں تھا۔ جب تک اہلکار وہاں تک پہنچتے، علی سامنے ایک گودام کی چھت سے کود کر ریلوے اسٹیشن سے باہر تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں جیسے گرداسپور کی تاریک سڑکوں نے اسے نگل لیا تھا۔

اس واقعے کے ٹھیک تین دن بعد وہ نئی دہلی میں تھا۔ اب وہ بے حد محتاط ہوچکا تھا۔ اسے بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کی شناخت چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ بھوکے بھیڑیے اس کی خوشبو پاچکے تھے۔

☆☆☆

علی کے چکنی مچھلی کے مانند ہاتھ میں آکر نکل جانے کے سبب کرنل دیپ شدید ڈپریشن کا شکار ہوگیا تھا۔ یہ معما بھی حل ہوتا نظر نہیں آرہا تھا کہ کشمیر میں داخل ہونے کے بعد علی ڈار واپس کیوں گیا ہے؟ واپسی کن مقاصد کے لیے ہے؟

چیک پوسٹوں سے ملنے والے فوٹیج سے یہ پتا چل گیا تھا کہ علی ڈار، ہندو یاتری کے روپ میں کشمیر سے نکلا ہے اور اس سے یہ بھی پتا چل گیا کہ وہ کشمیر میں وارد بھی ہندو یاتری کے روپ میں ہوا ہے۔

اس کھوج کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ علی والے گروپ میں سے چار یاتری لاپتا ہیں۔ کڑی سے کڑی مل رہی تھی۔ نقشہ واضح ہورہا تھا۔

علی، چاروں اسلحہ ساز افغانیوں کے ساتھ ہندو یاتریوں کے روپ میں آیا تھا اور انہیں محفوظ ٹھکانے پر پہنچا کر کسی نامعلوم مقصد کے لیے واپس چلا گیا۔

علی والے سارے گروپ کے یاتریوں کو اٹھالیا گیا تھا۔ ان کی مدد اور فوٹیج سے اب چاروں لاپتا ہونے والے یاتریوں کے خاکے بنائے جارہے تھے۔ جن کے بارے میں یقین کی حد تک شبہ تھا کہ وہی چاروں افغان اسلحہ ساز ہیں۔

یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ چوتھے دن نئی دہلی سے تہلکہ خیز خبر آگئی۔ ایلس ہیلو کو اغوا کرنے والے ذمے داروں کی طرف سے ایک میموری کارڈ کے ساتھ ایک مطالبہ ایلس ہیلو کے میڈیا گروپ کے مقامی آفس کو موصول ہوگیا تھا۔ مطالبہ تھا کہ ایلس ہیلو کی بہ خیریت رہائی مطلوب ہے تو اس رپورٹ کو پوری دنیا میں آن ائر کردیا جائے۔

فوراً ہی میڈیا گروپ اور بھارتی وزارت خارجہ کے درمیان ایک ہنگامی میٹنگ کا آغاز ہوگیا۔ دوسری طرف کرنل دیپ کو پتا چل گیا تھا کہ علی کے کشمیر سے روانہ ہونے کی کیا وجہ تھی۔ اس نے کیپٹن سندیپ کو ذمے داریاں سونپیں اور فوراً نئی دہلی کا رخ کیا جہاں اس کا نیا ٹھکانا سیف سٹی پروجیکٹ کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

☆☆☆

نئی دہلی کا ریلوے اسٹیشن اور اس سے ملحقہ ریلوے ملازمین کی رہائشی کالونی وسیع وعریض رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ علی اسی رہائشی کالونی کے ایک چھوٹے سے کوارٹر میں مقیم تھا۔ اسے، ایلس ہیلو کے میڈیا گروپ کے ردعمل کا

انتظار تھا۔

رات نو بجے کے لگ بھگ کوارٹر کا تالا کھول کر ایک ادھیڑ عمر دبلا پتلا شخص اندر داخل ہوا۔ اس کی آمد مکمل طور سے علی کی نظروں میں رہی تھی۔ یہ ریلوے کے ورکشاپ کا فورمین غازی عبداللہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا اور ایک درمیانے سائز کا شاپنگ بیگ تھا۔ تھوڑی دیر بعد غازی اور علی کمرے میں بچھی دری پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ان کے درمیان اشیائے خورونوش والا شاپنگ بیگ کھلا ہوا تھا اور غازی کے چہرے پر دبا دبا سا جوش نظر آرہا تھا۔

علی نے اس کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ”لگتا ہے چاچا کوئی خاص ہی خبر ہے۔“

غازی نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ہاں، مگر پہلے کھانا کھالو۔ تم نے دوپہر سے کچھ نہیں کھایا ہوگا۔“

علی نے کہا۔ ”ایسی بات بھی نہیں ہے۔ درجن بھر سے زائد کیلوں پر ہاتھ صاف کیا ہے۔“

غازی نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”کیلوں سے کیا بنتا ہے۔“ ساتھ ہی اس کے ہاتھ مصروفِ عمل ہو گئے۔

کھانا تقریباً خاموشی سے کھایا گیا۔ کھانے کے بعد غازی نے بشاشت بھرے انداز میں کہا۔ ”علی بیٹا! آج ”کام“ مکمل ہو گیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں اپنے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے وطن کے کسی کام آسکا۔“ آخر میں اس کا لہجہ آزردہ ہو گیا تھا۔

کامیابی کی خوشی نے علی میں توانائی کی نئی لہر دوڑا دی۔ اس نے ممنونیت بھرے انداز میں غازی کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ ”چاچا! آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان دو ہاتھوں نے اپنے وطن کے لیے کتنا بڑا کام کیا ہے۔“ بے اختیار اس نے غازی کے کھردرے ہاتھ چوم لیے۔ ہاتھ چھڑاتے ہوئے غازی کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔

جذباتی لمحے گزر گئے تو علی نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔ ”کیا میں وہ سب دیکھ سکتا ہوں؟“

غازی بولا۔ ”مجھے یقین تھا تم یہ خواہش ضرور کرو گے۔“ اس نے ساتھ لائے بڑے سے شاپر کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ پہن لو۔“

علی نے شاپر کھولا تو اس میں ریلوے ورکشاپ کے ملازمین کی مخصوص وردی اور ہیلمٹ تھا۔ وردی پر جگہ جگہ گریس اور تیل کے دھبے تھے۔

غازی کی مدد سے علی نے وردی پہنی، وردی پر لگی گریس چہرے پر لگائی اور اوپر سے مخصوص ہیلمٹ پہن لیا۔ بادی النظر میں اسے پہچاننا ناممکن ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ورکشاپ نمبر 7 میں داخل ہو رہے تھے۔ جہاں کا فورمین غازی عبداللہ تھا۔ ورکشاپ میں نائٹ شفٹ کے چند ہی ورکر تھے۔ جنہوں نے ہاتھ اٹھا کر اپنے فورمین کو سلام کیا تھا۔ علی پر کسی نے کچھ خاص توجہ نہیں دی تھی۔

☆☆☆

ایلس ہیلو کے میڈیا گروپ کا ردِعمل سامنے آگیا تھا۔ رپورٹ کی جانچ پڑتال کے نام پر انہوں نے چند دن کی مہلت مانگی تھی اور درخواست کی تھی اس دوران ایلس ہیلو کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔

درحقیقت عالیہ میٹنگ میں بھارتی وزارتِ خارجہ کے کھاگ افسران بمشکل میڈیا گروپ سے ایلس ہیلو کی بخیریت بازیابی کے لیے چند دن مانگنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے علی کے چہرے پر کامیابی مسکراہٹ بن کر ابھری تھی۔ بساط پر بچھی ہر چال اس کے من چاہے اختتام کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اس نے غازی کی طرف سے مہیا کیا جانے والا شاپنگ بیگ کھولا۔ نئی جینز، شرٹ اور پی کیپ۔ اس نے پی کیپ کو سر پر لگا کر آئینے میں بغور جائزہ لیا۔ وہ جانتا تھا خونخوار دشمن اس کے تعاقب میں ہے اور اس کے پاس وسائل بے بہا ہیں۔ اس کی شناخت ہونے کے بعد اسے سب سے بڑا خطرہ سیکیورٹی کیمروں سے تھا۔ کیمرے زیادہ تر بلندی پر لگے ہوتے تھے۔ پی کیپ لگا کر ان سے خاصی حد تک بچا جا سکتا تھا۔

شام گہری ہونے پر وہ ریلوے کالونی سے باہر نکل آیا۔ دلی جگمگا رہا تھا۔ بے فکروں کی ٹولیاں، جھلملاتے سائن بورڈ، دکانوں اور مالز میں خریداروں کا ہجوم۔ گاہے بگاہے نظر آنے والے غیر ملکی سیاح، ہر طرف رونق میلا لگا ہوا تھا مگر علی کا دل بجھا ہوا تھا۔ اس کے وطن کشمیر میں تو اس وقت در و دیوار پر جیسے آسیب کا سایہ اتر آتا تھا۔ سہمے ہوئے کشمیری گھروں میں دبک جاتے تھے۔ فوجی گاڑیوں کا شور اور فوجیوں کی آمد و رفت سے دل ہول سے جاتے تھے۔ ہر پل دھڑکا لگا رہتا تھا کہ فوجیوں کی صورت میں کوئی مصیبت ہی نہ نازل ہو جائے۔

اسی کیفیت میں اس نے بس پکڑی اور پرانی دہلی کے علاقے میں آ گیا۔ یہ مسلم اکثریتی علاقہ تھا اور ہر چیز پر مسلم چھاپ نمایاں تھی۔ مسلمانوں اور پسماندگی کا بھارت میں چولی دامن کا ساتھ تھا اس لیے یہاں بھی پسماندگی نمایاں تھی۔

علی نے سائیکل رکشا پکڑا اور اس بدنام زمانہ علاقے میں آ گیا۔ جہاں سرِ شام بھاؤ تاؤ کی دکانیں سج جاتی تھیں۔

فوراً ہی پیشہ ور دلالوں نے علی کو گھیر لیا۔ ان سے بمشکل پیچھا چھڑوا کر علی ایک تنگ اور نیم تاریک اسٹریٹ پر ہولیا۔ تھوڑی دور آیا تو ایک تھڑے پر جینز میں ملبوس ایک لڑکی موبائل فون پر اونچی آواز میں بھاؤ تاؤ کر رہی تھی۔

علی قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔

لڑکی پیشہ ور تھی۔ اس نے فوراً گاہک کو تاڑ کر فون بند کر دیا۔

”آ میرے شاہ رخ! شرما کیوں رہا ہے۔“ لڑکی نے بازاری انداز میں بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

علی بولا۔ ”میں کھلے دل سے خرچا کروں گا لیکن جگہ کوئی پرسکون ہونی چاہیے۔“

لڑکی کی باچھیں کھل گئیں۔ ”بے فکر رہو۔ نہ پولیسوں کا خوف نہ کوئی اور ٹینشن..... چل میرے ساتھ۔“

تھوڑی دیر بعد علی اس کال گرل کے ساتھ ایک پرانی سی تین منزلہ عمارت کے دڑبا نما کمرے میں تھا۔ کمرے کی لائٹ جلاتے ہی لڑکی نے ہاتھ پھیلایا۔ ”نکال میری فیس اور کمرے کا کرایہ..... اور شرو.....“ بقایا الفاظ اس کے حلق میں ہی رہ گئے تھے۔ علی نے لپک کر اس کی گردن بازو کے شکنجے میں کس لی تھی۔ لڑکی کا دبلا پتلا جسم مچھلی کی طرح تڑپا مگر حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔

علی نے اس کی پتلی سی گردن کی ایک مخصوص رگ دبائی۔ اس کا مچلتا جسم اینٹھ کر ساکت ہو گیا۔ علی نے آرام سے اسے بدبودار پلنگ پر لٹا دیا۔ اس کے منہ سے رال سی بہنے لگی تھی۔ اس کیفیت میں وہ بڑی قابلِ رحم لگ رہی تھی۔

اسے لٹا کر علی نے سن گن لی۔ دور کسی فلیٹ سے زن و مرد کے جھگڑنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ عمارت میں لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

علی نے پرس نکال کر اس میں سے پانچ پانچ سو کے دو نوٹ نکال کر لڑکی کے گریبان میں اڑسے اور اس کا موبائل فون پرس میں سے نکال لیا۔ موبائل میں اتنا بیلنس تھا کہ علی کا کام چل جائے۔

علی نے دماغ میں محفوظ ایک لینڈ لائن نمبر ملایا۔

چوتھی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔ ”ہیلو!“ ایک دبنگ سی مردانہ آواز ابھری۔

علی نے کہا۔ ”میں کسی بھی وقت دوبارہ کال کروں گا۔ ایلس ہیلو اغوا کیس کا جو بھی انچارج ہے، مجھے اس نمبر پر ملنا چاہیے۔“

دوسری طرف جو بھی تھا اسے جیسے ہزاروں وولٹیج کا جھٹکا لگا تھا۔ ”کک..... کون ہے؟“

”تم سب کا باپ.....!“ علی نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ”اور یہ نمبر ایک پیشہ ور لڑکی کا ہے۔ اسے تنگ بھی نہ کرنا۔“ یہ کہہ کر علی نے کال کاٹی اور تیزی کے ساتھ کمرے اور پھر عمارت سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ پرانی دہلی کی بھول بھلیوں میں گم ہو چکا تھا۔

علی جس منصوبے پر عمل پیرا تھا۔ اس پر وہ گزشتہ 9 ماہ سے کام کر رہا تھا۔ اس کا ہوم ورک مکمل تھا۔ وہ اس وقت دہلی سے دور ایک نیم پہاڑی علاقے میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ چوٹی پر ایک سیلولر کمپنی نے ٹاور لگایا تھا۔ اس ٹاور کے ساتھ ہی الیکٹرک سپلائی کا دس ہزار کے وی کا کھمبا بھی تھا۔ دور دراز علاقے تک بجلی پہنچانے کے لیے الیکٹرک سپلائی کمپنی نے یہ اسٹرکچر حال ہی میں مکمل کیا تھا ابھی بجلی کی سپلائی شروع نہیں ہوئی تھی۔

سیلولر کمپنی کے ٹاور پر تعینات گارڈ اور جنریٹر آپریٹر کو علی نے بے بس کر کے باندھ دیا تھا۔ اندھیرا ہوتے ہی اس نے بجلی کے کھمبے پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس کی پشت پر ایک بڑا سا تھیلا بندھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سیلولر کمپنی کے ملازمین میں سے ایک کا موبائل بھی اسی کے پاس تھا۔

☆☆☆

ایک حساس ادارے کے آفس میں کی جانے والی... کال نے خوب اثر دکھایا تھا۔ وہ لائن سیف سٹی پروجیکٹ کے ہیڈکوارٹر سے ڈائریکٹ کر دی گئی تھی۔ جہاں سیکڑوں ٹی وی اسکرینز کے درمیان رکھے فون سیٹ کے قریب کرنل دیپ راج جلے پاؤں کی بلی کے مانند ٹہل رہا تھا۔

پرانی دہلی سے علی کی فوٹیج مل گئی تھی۔ اس کی مدد سے دہلی میں اس کا ممکنہ ٹھکانا کھوجا جا رہا تھا۔ کم از کم دس جگہ وہ سیف سٹی کے کیمروں کی زد میں آیا تھا۔ ان دس جگہوں پر سادہ لباس اہلکار تعینات ہو چکے تھے۔ پچاس کلومیٹر کے دائرے میں چار عدد کوئیک رسپانس ٹیمیں چوبیس گھنٹے تیار تھیں۔ چاروں ٹیموں کے پاس ہیلی کاپٹرز اور بلیک کیٹ کمانڈوز تھے جو سرعت کے ساتھ ہیلی کاپٹرز سے کہیں بھی

ڈراپ کیے جا سکتے تھے۔

اس کے علاوہ مواصلاتی سیارے کی بھی مدد حاصل تھی۔ دو افراد پر مشتمل ٹیم کال کے آتے ہی تیس سیکنڈ کے قلیل وقت میں کال کرنے والے کی پن پوائنٹ لوکیشن دینے کی ذمے دار تھی۔

☆☆☆

بلندی پر ہوا خاصی تیز تھی۔ اس کے علاوہ اندھیرے کا بھی راج تھا۔ علی نے چھوٹی سی ٹارچ آن کر کے منہ میں دبالی اس کے بعد اس نے کمر پر بندھا تھیلا کھولا۔ اس میں مخصوص قسم کا جھولا اور جھولے سے منسلک ہونے والی جیکٹ تھی۔

ٹارچ کی روشنی کے مختصر سے دائرے میں اس نے جھولے کی فولادی پٹری، ہوا میں جھولتی بجلی کی فولادی تار پر جمائی۔ دونوں کا سائز ایک تھا۔ پٹری اپنی جگہ پر بالکل فٹ بیٹھی تھی۔ علی نے جھولے کو بریک لگائی اور جھولے سے منسلک ہونے والی جیکٹ کس کر اسے جھولے کے مخصوص ہک سے جوڑ دیا۔ وہ مکمل طور سے تیار تھا۔

موبائل سنبھال کر اس نے نمبر ملایا۔ فوراً ہی کال پک کر لی گئی۔ دوسری طرف موجود بے چینی کو محسوس کر کے علی کے خشک ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ہیلو، کرنل دیپ راج بات کر رہا ہوں۔" مضبوط لب و لہجے کی حامل آواز علی کی سماعت سے ٹکرائی۔

علی بولا۔ "یقیناً مجھے ایلس ہیلو کیس کے انچارج سے بات کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔"

لہجے میں تمسخر محسوس کر کے کرنل دیپ کا حلق کڑوا ہو گیا۔ خون نے کنپٹیوں کی طرف جوش مارا۔ خود کو قابو میں رکھتے ہوئے اس نے مخصوص اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ تم کون ہو؟ اور مجھ سے کیوں بات کرنا چاہتے تھے؟"

علی نے کہا۔ "ایلس ہیلو کو میں نے اغوا کیا ہے۔ اس کی رہائی کے بدلے میرا ایک چھوٹا سا مطالبہ ہے جسے نہ ماننے کی صورت......"

کرنل نے اس کی بات کاٹی۔ "تم ایک مطالبہ ایلس ہیلو کے میڈیا گروپ سے بھی کر چکے ہو۔" یہ کہتے ہوئے کرنل کی بے چین نظریں گھڑی کی سوئیوں پر تھیں۔ تیس سیکنڈ کا مختصر سا سفر اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا۔

علی نے اپنے ترکش کا اہم ترین تیر چلایا۔ "میں اس مطالبے سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار ہوں۔ وہ رپورٹ جہاں میڈیا گروپ کے لیے بہت مشکل امتحان ہے وہاں تمہاری عیارانہ ڈپلومیسی اس کے مقابلے میں دس جھوٹی رپورٹیں لے آئے گی۔ اس رپورٹ کے آن ائیر ہونے کا کشمیر اور کشمیری عوام کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔"

تیس سیکنڈ پورے ہو گئے تھے۔ علی کی لوکیشن ٹریس ہو گئی تھی مگر چھاپا مار ٹیم کے نائب انچارج کا چہرہ لٹک گیا تھا۔ یہ لوکیشن ان کے بنائے دائرے سے باہر کی تھی۔ وہ تیزی کے ساتھ مصروف ہو گیا۔

نائب انچارج سے اشاروں، کنائیوں میں بات کرتے ہوئے کرنل نے کہا۔ "یہ فیصلہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ویسے بھی تم لوگ مطالبے کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔ بہتر ہے ایلس ہیلو کو غیر مشروط طور پر رہا کر دو۔" کرنل کو وہ قدرے کمزور محسوس ہوا تھا۔

علی نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں فون بند کر دیتا ہوں۔" اس کے لہجے میں پنہاں دھمکی نے کرنل کو بوکھلا دیا۔ وہ جلدی سے بولا۔

"نہیں، تم اپنا مطالبہ بتاؤ، ہم ایلس ہیلو کی بہ خیریت رہائی چاہتے ہیں۔"

اس دوران ہاتھ سے لکھا ہوا ایک کاغذ کرنل کے سامنے آ گیا جس پر لکھا تھا۔ دہلی سے دو سو ساٹھ کلومیٹر دور اندر کوٹ کا ایک پہاڑ...... پولیس چوکی بتیس کلومیٹر...... فوجی چھاؤنی بیالیس کلومیٹر...... ائر ڈیفنس کی ایک بیٹری...... نو کلومیٹر۔ کہاں سے مدد لی جائے؟

کاغذ دیکھتے ہی کرنل جھنجلا گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ علی، ان سے ایک قدم نہیں کئی قدم آگے تھا۔ اس نے کاغذ دور پھینکا اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر غرایا۔ "سب کو بولو، علاقے کو گھیر لیں۔" ماؤتھ پیس پر رکھے ہاتھ کی لمحے بھر کی خاموشی کو علی نے محسوس کر لیا۔

وہ بولا۔ "مجھ تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کر لو، اس حوالے سے میں کوئی دھمکی نہیں دوں گا۔ تم مکمل طور سے آزاد ہو۔"

اس دفعہ کرنل خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ "شٹ اپ! ہم ایسا کچھ نہیں کر رہے۔ تم اپنا مطالبہ سامنے لے آؤ جو سانپ نکالنا ہے نکالو۔"

کرنل کے طیش اور جھنجلاہٹ کی وجہ علی خوب سمجھ رہا تھا۔ وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ "ایلس ہیلو کے بدلے ہمارے رہنما بشیر نبی آزاد کی رہائی۔"

کرنل دیپ کے سینے میں خاص قسم کی اتھل پتھل مچ

گئی۔ اس نے بمشکل اپنے ہیجان کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ تمہارا مطالبہ اپنے بڑوں تک پہنچا دیتا ہوں۔ تم تھوڑا سا وقت دو۔''

علی نے کہا۔ ''ٹھیک ہے، تمہارے پاس 72 گھنٹے ہیں۔ 72 گھنٹے بعد جب میں رابطہ کروں تو آزاد صاحب تہاڑ جیل سے سرینگر میں ہونے چاہئیں۔ اگر منظور نہ ہو تو ایلس ہیلو کی لاش تمہیں مل جائے گی۔''

''دیکھو...... جذباتی......''

علی نے اس کی بات کاٹی۔ ''ٹھیک 72 گھنٹے بعد دوبارہ بات ہوگی۔ اپنی فوج کا لانگ رینج اور قابل اعتماد وائرلیس سیٹ ''دھرماتما'' اپنے قریب رکھنا۔ میری بی ٹیم اس پر رابطہ کرے گی۔'' یہ کہہ کر علی نے کال کاٹ کر موبائل پہاڑی پر پھینکا اور بریک والا لیور اٹھا دیا۔ اگلے ہی پل وہ بلندی سے پستی کی جانب حقیقت میں ہوا سے باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا۔

ٹھیک چار گھنٹوں کے بعد وہ اپنے دوسرے میزبان کے پاس حفاظت سے پہنچ گیا تھا۔ اس کے پہنچتے ہی وہ میزبان جو زعفران اور خشک میوہ جات کا بیوپاری تھا۔ علی کا تفصیلی پیغام لے کر جموں و کشمیر کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

کرنل دیپ کو ایک دفعہ پھر علی تک پہنچنے میں ناکامی ہوئی تھی مگر اب اسے کامیابی کا راستہ نظر آ گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ نہ صرف علی اور افغان اسلحہ سازوں تک پہنچ جائے گا بلکہ آزادی کی خواہش مند تحریک کے بھی پرخچے اڑا دے گا۔

سینے پر سجنے والے تمغوں کے احساس کے ساتھ اس کا سینہ ابھی سے چوڑا ہو گیا تھا۔ اس نے کھڑکی سے ٹرانسپورٹ ہیلی کاپٹر کی پھڑپھڑاہٹ سنی تو طمانیت کے احساس کے ساتھ آنکھیں موند کر سونے کی کوشش میں لگ گیا۔ اسے طویل سفر کرنا تھا۔

☆☆☆

وزارتِ داخلہ کے دو اور ایک فوجی آفیسر پر مشتمل ٹیم جھاڑکھنڈ کی فوجی چھاؤنی کے ایک پرسکون حصے میں داخل ہوئی۔ یہاں افسران کے لیے بنگلوز بنے ہوئے تھے۔

ٹیم جس بنگلے میں داخل ہوئی اس کے گیٹ پر کرنل منوہر جوشی کی تختی لگی ہوئی تھی۔ ٹیم کو اندر آتا دیکھ کر سفید آرام دہ لباس میں ملبوس شخص جو ہاتھ میں بڑی سی قینچی پکڑے پودوں کی کاٹ چھانٹ کر رہا تھا چونک سا گیا۔ وہ پچاس سال کا بھاری جسم کا سرخ و سفید شخص تھا جس کے چہرے پر رنگی ہوئی سیاہ چھوٹی مونچھیں بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔

ٹیم کے ارکان اس کے قریب چلے گئے۔

جونیئر فوجی آفیسر نے گفتگو کا آغاز کیا۔ ''مسٹر آزاد! وزارتِ داخلہ کے یہ افراد خصوصی اجازت نامے کے ساتھ آپ سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔''

سرخ و سفید شخص جو بشیر نبی آزاد تھا اور ساری دنیا کی نظروں میں تہاڑ جیل کی صعوبتیں کاٹ رہا تھا۔ کسی انہونے خوف سے لرز سا گیا۔ اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وزارتِ داخلہ کے افسران کے ساتھ خیر مقدمی کلمات کا تبادلہ کیا اور انہیں اندر چلنے کی دعوت دی۔

ایک آفیسر نے لان چیئرز کی طرف دیکھا۔ ''میرے خیال میں یہاں بیٹھنا مناسب ہے۔ ہم زیادہ وقت نہیں لیں گے آپ کا۔''

آزاد نے اس خواہش کے احترام میں سر جھکایا۔ وہ سب لان چیئرز پر جا بیٹھے۔ حسب فرمائش آزاد نے چائے کے لیے بول دیا۔

چائے کی آمد سے پہلے ہی آزاد نے اپنے خدشے کا اظہار کر دیا۔ ''آپ لوگوں کی آمد مجھے کسی طوفان کا پیش خیمہ محسوس ہو رہی ہے، کیا خیال ہے آپ لوگوں کا؟''

وزارتِ داخلہ کا ایک گھاگ آفیسر مسکرایا۔ ''طوفان تو نہیں آزاد صاحب! ہلچل ضرور کہہ سکتے ہیں۔ ایک غیر ملکی خاتون صحافی کی رہائی کے بدلے میں ''آپ'' کے لوگوں نے آپ کی رہائی کا مطالبہ کر دیا ہے۔''

آزاد کو محسوس ہوا زمین جیسے اس کے قدموں کے نیچے سے کھسک سی گئی ہے۔ اس نے کرسی کے ہتھے تھام لیے۔

وزارتِ داخلہ کے آفیسر نے مزید کہا۔ ''بھگوان سے اور زیادہ کیا مانگیں۔ غیر ملکی صحافی بھی رہا اور آپ بھی کشمیری آتنک وادیوں کی صفوں میں۔ ہمارا کام کتنا آسان ہو جائے گا۔'' دوسرے آفیسر نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

آزاد کے چہرے پر خوف اور تذبذب نمایاں تھا۔ وہ بیٹھی ہوئی آواز میں بولا۔ ''سونار مل اسٹیشن والے واقعے کے بعد وہ، میری طرف سے مشکوک ہو گئے تھے۔ یہ ان کی کوئی چال بھی ہو سکتی ہے۔''

''کم آن...... مسٹر آزاد۔'' آفیسر کا لہجہ روکھا ہوا۔ ''دیش کو آپ کی ضرورت ہے۔ رہی بات آتنک وادیوں کے نزدیک مشکوک ہونے کی تو یہ خدشہ ذہن سے نکال

دیں۔ اسے بھی ہمارے سوشل میڈیا ونگ کا کمال سمجھیں۔ کا ہے لگا ہے آپ کی صعوبتیں، مشقتیں اور تشدد برداشت کرتی تصویریں اور کہانیاں تہاڑ جیل سے ''لیک'' ہو کر پورے جموں و کشمیر میں پھیلتی رہتی ہیں۔ آپ ان لوگوں کے ہیرو ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو آتنگ وادی کسی اور کی رہائی کا بھی مطالبہ کر سکتے تھے اور آپ کو وہاں کون سی صدیاں گزارنی ہیں۔ ایک، دو ٹاسک ہیں...... وہ پورے ہوتے ہی آپ کو دوبارہ ''گرفتار'' کر لیں گے اور آپ دوبارہ سے اس گوشۂ عافیت میں اپنی تیسری بیوی کے پاس آموجود ہوں گے۔''

دوسرے آفیسر نے شگفتہ انداز میں گرہ لگائی۔ ''اور یہ بھی ممکن ہے چوتھی بیوی آپ کشمیر سے ہی ساتھ لے آئیں۔''

جونیئر فوجی آفیسر کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

آزاد کو اپنی پیشانی پر نمی محسوس ہوئی' اس نے چور نظروں سے اندرونی عمارت کی طرف دیکھا۔ جہاں اس کی کم عمر بیوی اور نو ماہ کا بچہ موجود تھے۔ اس نے گہرا سانس لے کر ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔

عرصے بعد، اس کی زبان بار بار اس کھوکھلے دانت کو چھونے لگی تھی جہاں ایک خاص چپ لگائی جا سکتی تھی۔

☆☆☆

کرنل دیپ، سرینگر کے فوجی ہیڈ کوارٹر میں موجود تھا۔ آزاد بھی اس کے ساتھ تھا۔ آزاد نے پرانا سا کشمیری چغا پہن لیا تھا۔ اس کا حلیہ ممکنہ حد تک ایک صعوبت زدہ قیدی کا سا بنا دیا گیا تھا۔

کرنل دیپ راج بے حد مطمئن تھا۔ ترپ کا پتا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس دفعہ آزاد کو ریسیو کرنے والوں کو چھاپنے کا کوئی پروگرام نہیں بنایا گیا تھا۔ کشمیری حریت پسند خود ہی ایک تباہ کن ''ٹائم بم'' کو گود میں لینے کے لیے تیار تھے۔ کرنل کو اس ٹائم بم کو صرف انہیں ڈیلیور کرنا تھا۔

علی کے دیے 72 گھنٹے پورے ہونے والے تھے۔ مخصوص وائرلیس سیٹ اس کے سامنے میز پر رکھا تھا اور پوری طرح سے فعال تھا۔ اسرائیلی ٹیکنالوجی پر مشتمل ''دھرما تما'' نامی یہ سسٹم خاصا محفوظ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی لوکیشن اور فریکوئنسی ٹریس کرنا آسان نہیں تھا۔ کرنل نے ایسی کوئی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

یہ وائرلیس سسٹم بھارتی آرمی بہت بڑی تعداد میں استعمال کرتی تھی۔ یہ سسٹم مختلف واقعات میں صرف کشمیر میں درجن بھر سے زائد تعداد میں چھینے جا چکے تھے۔ یقیناً ایسا ہی کوئی آپریٹس ایلس ہیلو کے اغوا کاروں کے ہاتھ بھی لگا تھا اور وہ اس کی افادیت سے بھی بخوبی واقف تھے۔

72 گھنٹے پورے ہو چکے تھے۔ آپریٹس ابھی تک کسی مخصوص پیغام سے محروم تھا۔ جنرل فریکوئنسی پر دیگر معاملات سن سن کر کرنل کا سر چکرانے لگا تھا۔ اس کی بے چینی عروج پر تھی۔

اچانک ہی جنرل فریکوئنسی پر ایک نوجوان کی پُرسکون آواز ابھری۔ ''کرنل دیپ راج! جلدی سے بتا دو، آزاد صاحب، تمہارے ساتھ ہیں اوور......''

کرنل جلدی سے بولا۔ ''ہاں، تمہارا مطالبہ مان لیا گیا ہے۔ بتاؤ، قیدیوں کا تبادلہ کہاں ہوگا؟ اوور......''

''تم...... آزاد صاحب کے ساتھ سرینگر ریلوے اسٹیشن پہنچو، اپنے علاوہ تمہارے پاس ایک اضافی آپریٹس بھی ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ ہمیں فضا میں کوئی ڈرون اور ہیلی کاپٹر بھی نظر نہیں آنا چاہیے۔ ایک دوربین بھی رکھ لینا، اوور......''

کرنل نے پوچھا۔ ''یہ تبادلہ ریلوے اسٹیشن پر ہوگا؟ اوور......''

نوجوان ہنسا۔ ''تم سے اس احمقانہ بات کی توقع نہیں تھی کرنل، جلدی پہنچو۔ تمہارے پاس وقت کم ہے۔'' اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

خفت کے شدید احساس سے کرنل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے واقعی احمقانہ بات کر دی تھی۔ جنرل فریکوئنسی کے سبب یہ ''یادگار چھترول'' مزاح بن کر انڈین آرمی میں پھیلنے والی تھی کرنل نے زوردار گھونسا میز پر مارا۔ ''دیکھ لوں گا تمہیں۔'' اس نے دانت نکوسے۔

آزاد کو لے کر سخت سیکیورٹی میں دو بکتر بند گاڑیاں سرینگر ریلوے اسٹیشن پہنچ گئیں۔ ان کا پڑاؤ وی، آئی، پی موومنٹ کے لیے مخصوص ایک لاؤنج میں تھا۔

کرنل نے دو اضافی آپریٹس بھی ساتھ لے لیے تھے۔ اس کا ذہن ہر طرف سے ہٹ کر ایلس ہیلو کی رہائی اور آزاد کو ٹھکانے تک پہنچانے میں لگا ہوا تھا۔ ایلس ہیلو کے میڈیا گروپ کا دباؤ بے حد شدید تھا۔

کرنل گلے میں دوربین اور ہاتھ میں آپریٹس پکڑے لاؤنج میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

آپریٹس پر کھڑکھڑاہٹ ابھری۔ فوراً ہی پہلے والے نوجوان کی آواز کھڑکھڑاہٹ پر غالب آ گئی۔ ''پہنچ گئے

اسٹیشن کراس ہے؟ اوور.....“

”ہاں، اب کیا کرنا ہے؟ اوور۔“

”سامنے دیکھو، وہاں سے بالنیان کول پاور پلانٹ کے لیے کوئلہ لے کر آنے والی گاڑی، پلیٹ فارم نمبر دو پر نظر آرہی ہے؟ اوور۔“

کرنل نے بے اختیار نظریں اٹھائیں۔ پرانا سا انجن اور معدنی کوئلے سے بھری ٹرالیوں والی ٹرین صاف نظر آرہی تھی۔ وہ بولا۔ ”نظر آرہی ہے، کرنا کیا ہے؟ اوور۔“

”دھیرج کرنل دھیرج۔“ نوجوان کی آواز کے سکون میں ذرا بھی جذباتی تلاطم نہیں آیا تھا۔ حالانکہ حالات ہنگامہ خیز محسوس ہورہے تھے۔ نوجوان کی دوبارہ آواز ابھری۔ ”ٹرین کا اسٹاپ پندرہ منٹ کا ہے۔ آزاد صاحب کے ہاتھ اگر بندھے ہیں تو کھول کر ایک آپریٹس انہیں دے دو۔ تم ٹرین ڈرائیور کے ساتھ انجن میں سوار ہو جاؤ۔ آزاد صاحب کو سب سے آخری ڈبے میں سوار کروا دو اوور۔“

کرنل طنزیہ انداز میں ہنسا۔ ”تاکہ آزاد صاحب، جب چاہیں مکمل ”آزاد“ ہو کر ٹرین سے چھلانگ لگائیں اور یہ جا اور وہ جا۔“ کرنل کا لہجہ سخت ہوا۔ ”آتنک وادیوں کے سامنے جھکنا ہمیں کسی صورت منظور نہیں۔ یہ صرف ایک غیر ملکی خاتون مہمان کا معاملہ ہے جو ہم نے اتنی لچک دکھائی ہے۔ تبادلہ صرف آمنے سامنے ہوگا۔ منظور نہیں تو جاؤ بھاڑ میں اوور۔“

دوسری طرف چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی پھر نوجوان کی آواز ابھری۔ ”تمہاری بات تسلیم کی جاتی ہے کرنل! تم اپنے اہلکار آزاد صاحب کے ساتھ سوار کرسکتے ہو مگر ان کے ہاتھ آزاد ہوں اور آپریٹس ان کے پاس ہونا چاہیے اوور۔“

کرنل کا چہرہ چمکنے لگا مگر اس نے سخت لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک ہے، ہمیں خاتون مہمان کی سلامتی عزیز ہے۔ ہماری طرف سے کوئی ”مس ایڈونچر“ نہیں ہوگا۔ تمہاری طرف سے ایسا کچھ ہوا تو یاد رکھنا بھسم کر دیے جاؤ گے اوور.....“

”بے فکر رہو کرنل! ہمیں بھی آزاد صاحب کی بہ خیریت رہائی مطلوب ہے اوور اینڈ آل۔“

یہ مکالمہ سنتے ہوئے آزاد قدرے مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ واقعی آزادی کے متوالوں کا ہیرو تھا جو گزشتہ ڈھائی سال سے تہاڑ جیل کی صعوبتیں کاٹ رہا تھا۔

ٹرین روانہ ہوئی تو کرنل انجن روم میں ڈرائیور اور معاون ڈرائیور کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں سہمے سہمے سے تھے۔ انہیں بے چوں و چرا کرنل کے احکامات ماننے کا پابند کر دیا گیا تھا۔

سب سے پیچھے گارڈ والے ڈبے میں جدید ترین ہتھیاروں سے لیس چار اہلکار آزاد کے ساتھ تھے۔ بیک اپ کے طور پر سرینگر ائربیس پر ایک گن شپ اور ایک تیز رفتار ٹرانسپورٹ ہیلی کاپٹر ریڈ الرٹ پر تھے۔ ٹرین روانہ ہوئی تو نوجوان نے آزاد کو مخاطب کر کے کہا۔

”آزادی مبارک ہو آزاد صاحب اوور۔“

آزاد نے لہجے میں بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”خیر مبارک، یہ صرف تم جیسے شیر دل جوانوں کی ہمت اور جوانمردی کے سبب ممکن ہوا ہے۔ کشمیر کی مائیں تم جیسے بیٹوں پر فخر کریں گی اوور۔“ آزاد نے خوب لفاظی کا مظاہرہ کیا۔

نوجوان بولا۔ ”آپ کی ذرہ نوازی ہے صاحب! ہمارا رول ماڈل تو آپ ہیں۔ جنہوں نے دشمن کے سامنے کبھی گردن نہیں جھکائی۔ کشمیر کا بچہ بچہ آپ کو سلام کرتا ہے۔ آپ آئیں اور ہماری قیادت سنبھالیں اوور۔“

یہ مکالمہ سن کر مسلح اہلکار اپنی ہنسی دبائے ایک دوسرے کو معنی خیز اشارے کر رہے تھے۔ آزاد کے دل سے سارے شکوک و وہم مٹ گئے تھے۔ وہ پُرجوش انداز میں بولا۔ ”جیتے رہو میرے بچے۔ میں جلد ہی آ کر تمہیں سینے سے لگاؤں گا اوور۔“

”جی ضرور، میں بھی اس لمحے کے لیے بے تاب ہوں اوور۔“

بالنیان سے بیس کلومیٹر پہلے نوجوان نے کرنل سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”ڈرائیور سے کہو ٹرین کی رفتار 10 کلومیٹر فی گھنٹا کر کے اور اگلے کانٹے سے ٹرین کو سونارملی اسٹیشن کی طرف موڑ لے اوور۔“

کرنل نے من و عن یہی ہدایت ڈرائیور کو دے دی۔

ڈرائیور نے ٹرین کی رفتار کم کرتے ہوئے تذبذب سے کہا۔ ”صاحب! یہ متروک راستہ ہے، آگے کوئی رکاوٹ بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اسٹیشن سے پہلے ایک گہری کھائی پر قدیمی برج ہے۔ ٹنوں کوئلے کے ساتھ مشکل ہے کہ برج ٹرین کا وزن سنبھال سکے۔“

کرنل نے بے پروائی سے کہا۔ ”تم چلو، جنہوں نے بلایا ہے انہوں نے بھی اس بارے میں سوچا ہوگا۔ ان کا بھی ایک بے حد خاص بندہ ٹرین میں ہے۔“

ڈرائیور کے پاس حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ٹرین سالخوردہ پٹریوں کو کراس کرتی دھیمی رفتار سے آگے بڑھنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ قدیم برج نظر آنے لگا۔ جس کی کمزوری اور بوسیدگی کا ذکر ٹرین ڈرائیور نے کیا تھا۔

گاڑی نے خم کاٹا تو کھڑکی سے لگے کھڑے آزاد کو بھی وہ برج نظر آ گیا۔ اس کا دل لرزنے لگا۔ اسی کی مخبری کے سبب اسی برج کے اطراف ان چودہ حریت پسندوں کو فورسز نے گھیر لیا تھا جنہوں نے BSF ہیڈ کوارٹر پر حملے کے لیے اپنی جانیں قربان کر دینے کی قسم کھائی تھی۔

ان چودہ جوانوں کو فورسز نے ایک تنگ درے میں گھیر کر ان پر فاسفورس بموں کی بارش کر دی تھی۔ وہ چودہ بارودی آگ میں جل کر شہید ہو گئے تھے۔

نوجوان نے کرنل سے کہا۔ ”دوربین سنبھال لو کرنل! سامنے کی طرف گول چٹان پر تمہیں ایلس ہیلو نظر آنے والی ہے اوور۔“

کرنل نے جلدی سے دوربین آنکھوں سے لگا لی۔ جلد ہی اسے ایک گول اور اوپر سے سطح چٹان پر ایلس ہیلو نظر آ گئی۔ وہ اسی لباس میں تھی۔ جس میں اسے اغوا کیا گیا تھا۔ وہ اطمینان سے ٹانگیں کھڑی کر کے ان کے گرد بازوؤں کا حلقہ ڈالے ٹرین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کرنل نے اطراف میں دوربین گھمائی اور حیران رہ گیا۔ ایلس کے اردگرد سطح تو کیا کسی ذی روح کا نشان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

اسی وقت ٹرین گڑگڑاتی ہوئی برج میں داخل ہو گئی۔ ٹرین کے وزن سے واقعی برج لرز اٹھا تھا۔ ڈرائیور کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں۔

کرنل نے دانتوں پر دانت جما لیے۔

نوجوان نے آزاد کو پکارا تو آزاد نے کہا۔ ”جی میرے بچے!“

نوجوان بولا۔ ”آپ کو یہ علاقہ اور برج دیکھ کر کچھ یاد آ رہا ہے اوور۔“ اس کا انداز بڑا سنسنی خیز تھا۔

نوجوان کے لہجے کو ٹٹولتے ہوئے آزاد نے مصنوعی ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ”یہ جگہ تو میرے سینے پر گھاؤ کی طرح نقش ہے۔ یہیں ہمارے جوانوں کو ظالموں نے جلا کر مارا تھا اوور۔“

نوجوان کا لہجہ یکلخت تبدیل ہوا۔ اسی وقت ٹرین کا آخری ڈبا بھی برج میں داخل ہو گیا۔ خود پر بمشکل قابو رکھا نوجوان گرجا۔ ”تیرے منہ میں کتے کی زبان ہے۔ وطن کے غدار۔ تیرے لالچ کے سبب وہ شیر جوان بے بس کر کے گھیر لیے گئے تھے۔“

آزاد کو ٹرین اور برج کے ساتھ پوری کائنات بھی لرزتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل تھوک نگل کر کہا۔ ”کک۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔۔ بب۔۔۔۔ بیٹا۔“

نوجوان پھنکارا۔ ”مت کہو اپنی بدترین زبان سے مجھے بیٹا۔“

جنرل فریکوئنسی کے سبب کرنل بھی یہ گفتگو سن رہا تھا۔ ایک پل کے اندر اس پر انکشاف ہو گیا کہ جسے وہ اپنی فتح سمجھ رہا ہے، وہ درحقیقت اس کی شکست ہے۔ اسے صرف ایک مہرے کی طرح استعمال کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس کی چھٹی حس نے خطرے کا سنگین الارم بجایا۔ انجن اور تین ابتدائی ڈبے برج سے نکل چکے تھے۔

کرنل نے پل بھر میں فیصلہ کیا اور آپریٹس سنبھال کر ٹرین سے باہر چھلانگ لگا دی۔ اس کی دیکھا دیکھی ڈرائیور اور معاون ڈرائیور نے بھی چھلانگ لگا دی۔

نوجوان آتشیں لہجے میں آزاد سے کہہ رہا تھا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جا۔ یہاں بھٹکتی ان چودہ شہیدوں کی روحیں تیرا استقبال کرنے کو بے چین ہیں۔“

آزاد کی زبان خشک ہو کر تالو سے چپک گئی تھی۔ اس کے ساتھ موجود اہلکاروں کے چہروں پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

اسی وقت مہیب گڑگڑاہٹ گونجی پھر یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے اور آزاد والا ڈبا آگ کے گولے میں تبدیل ہو گیا۔

برج کا ایک ستون منہدم ہوا تو برج اس طرف سے بیٹھ گیا۔ ٹرین اپنے پورے وزن کے ساتھ برج کے جنگلوں سے ٹکرائی اور اسے توڑتی ہوئے نیچے گہری کھائی میں جا گری۔ ایک دھماکے نے برج پار کر جانے والے انجن اور چند ڈبوں کو باقی ٹرین سے جدا کر دیا۔ انجن اور ڈبے اختتامی رکاوٹوں کو روندتے ہوئے ایک پہاڑی سے جا ٹکرائے تھے اور وہیں تھم گئے تھے۔ آزاد کی چیخیں بڑی دردناک تھیں۔ وہ اور اس کے ساتھ موجود اہلکاروں کی جلتی ہوئی باقیات باقی ماندہ ٹرین کے ساتھ کھائی میں ٹکڑا ٹکڑا ہو کر بکھر گئی تھیں۔

کرنل دیپ راج ایک پتھر سے کمر ٹکائے گم صم تھا۔ لمحوں میں ٹرین اور برج تنکے کے مانند بکھر گئے تھے۔ اسے یہ سب فلمی سین لگ رہا تھا۔

اس کے قریب رکھے آپریٹس پر نوجوان مسلسل چیخ رہا

تھا۔ ”تم زندہ ہو کرنل! اوور۔“

کرنل نے خود کو سنبھال کر آپریٹس اٹھایا۔ ”تم نے مارنے میں کوئی کسر چھوڑی تو نہیں تھی اوور۔“

”تمہیں مارنا اب بھی بے حد آسان ہے مگر یہ ہمارے ایجنڈے میں فی الحال نہیں ہے۔ غدار کے ساتھ چلنے والوں کی ذمے داری تمہارے سر ہے۔ ایلس ہیلو کو ہم نے رہا کر دیا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی نوجوان کی آواز آنا بند ہو گئی۔

چار اہلکاروں اور ایک ”مہرے“ کی موت کے بدلے ایلس ہیلو کی کامیابی کا کریڈٹ...... سودا برا نہیں تھا۔ کرنل دیپ راج کے جسم میں جیسے بجلی سی بھر گئی تھی۔

☆☆☆

چار ماہ کا عرصہ بیت گیا۔ پھر رفتہ رفتہ کھائی میں بکھرا معدنی کوئلہ اور سونار مل اسٹیشن پر بیکار کھڑے پرانے سے ٹرین انجن کے کل پرزے ایک پہاڑی غار میں منتقل ہونے لگے۔

فورمین قاری عبداللہ کے کاریگر ہاتھوں نے کچھ خاص پرزے اور مشینری اس طرح سے انجن میں نصب کی تھی کہ اسے علیحدہ سے شمار کرنا بے حد مشکل تھا۔ یہ سب بھی رفتہ رفتہ پہاڑی غار میں پہنچ گیا تھا۔

معدنی کوئلہ فولاد پگھلانے میں بے حد کارآمد تھا۔ اس پہاڑی غار میں ایک چھوٹی سی اسلحہ ساز فیکٹری معرضِ وجود میں آ رہی تھی۔ جہاں جلد ہی چھوٹے ہتھیار بننا شروع ہو جاتے۔

☆☆☆

حالات سازگار ہوتے ہی علی کشمیر آیا تو آیت نے اسے ایلس ہیلو کا لکھا خط تھما دیا۔ خط تھماتے ہوئے اس کی ستارہ آنکھوں میں شرگیں شوخی اور چہرے پر سرخی تھی۔ جس کی فوری سمجھ علی کو نہیں آئی تھی۔

خط تھما کر آیت فوراً ہی وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

شستہ انگریزی میں ایلس نے لکھا تھا۔

”میں بہت سی تلخ اور کچھ شیریں یادیں لے کر یہاں سے جا رہی ہوں لیکن میں...... تم سب لوگوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گی، خاص طور پر تمہیں......

تمہارے جانے کے بعد میری آیت سے دوستی ہو گئی تھی۔ اس کی مدد سے میں نے کشمیری عورتوں کی بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں عصمت دری اور ہراساں کیے جانے کے واقعات پر ایک رپورٹ تیار کی ہے۔ میں درجنوں متاثرہ لڑکیوں اور عورتوں سے ملی ہوں۔ ان پر ہونے والے مظالم جان کر میری بنیادیں تک ہل گئی ہیں۔ مہذب معاشرے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایک انسان دوسرے انسان پر اتنا ظلم کر سکتا ہے۔

مجھ سے جو بن پڑا، میں تم لوگوں کے لیے کروں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے پورے کشمیر سے... اور میری پیشکش پر غور ضرور کرنا۔ مجھ سے جب بھی رابطہ کرنا چاہو، دنیا کے کسی بھی ملک سے اس نمبر پر کال کر لینا۔ ایک نمبر لکھنے کے بعد اس نے دوبارہ لکھا تھا۔ معذرت کے ساتھ تمہاری ذاتی زندگی میں دخل دے رہی ہوں۔ آیت بہت پیاری اور معصوم لڑکی ہے۔ بہت پیار کرتی ہے تم سے۔ اسے پلیز، اپنی زندگی میں شامل کر لو۔ اب میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ تم دونوں ازدواجی بندھن میں بندھ کر میرے ملک میں میرے مہمان بنو، کاش...... میری یہ خواہش پوری ہو جائے۔

میری نیک خواہشات تم دونوں اور تمہاری آزادی کی تحریک کے ساتھ ہیں۔ مجھے یقین ہے بہت جلد تمہارا وطن دشمن کے تسلط سے آزاد ہو جائے گا۔ اجازت چاہتی ہوں...... تم سب کی ایلس ہیلو۔“

آزادی کے خواب کے ساتھ ہی علی کی آنکھیں جل اٹھی تھیں۔ وہ جیسے اپنے آپ سے بولا۔ ”ایلس ہیلو! مجھے بھی وہ ستارہ آنکھوں والی لڑکی اچھی لگتی ہے۔ تمہاری خواہش سر آنکھوں پر مگر ہمارے خواب تک ظالم درندوں نے چھین لیے ہیں یا پھر آنکھوں کے ساتھ ساتھ خواب بھی چھلنی کر دیے ہیں۔ فی الحال ہماری آنکھوں میں آزادی کے سلگتے خواب ہی ہیں۔

تمہاری زبان مبارک ہو۔ ہمیں آزادی مل جائے تو ضرور تمہاری مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوں گے۔ اگر دیر ہو گئی تو پھر ہماری قبروں پر دیا جلانے کے لیے تم آ جانا۔“

اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھیں بیدردی سے مسل ڈالی تھیں۔ قریب ہی ایک دیوار کی اوٹ میں کھڑی آیت نے بمشکل اپنی سسکیاں روکی تھیں اور علی کی تقلید میں آنکھیں مسل ڈالی تھیں۔

دونوں کی بھیگی آنکھوں میں ایک نیا عزم اور آزادی کے سلگتے خواب چمک رہے تھے۔ ایسے خواب وہ برسوں سے دیکھتے آ رہے تھے...... ان کی آنکھوں کے سامنے نئے سال کا سورج طلوع ہو رہا تھا...... اس کے ساتھ ہی ان کے دلوں میں امیدوں کے نئے چراغ جل اٹھے تھے۔

❖❖❖

ختم نبوت ﷺ زندہ باد **عظمت صحابہ زندہ باد**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "اردو بکس" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

❖ گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔

❖ گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔

❖ کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔

❖ ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

❖ اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔

❖ سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخِ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

❖ تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے فری آف کاسٹ وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔

❖ عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔

❖ **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**

❖ اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو